شمارہ نمبر-31

جنوری - مارچ 2010

قانون سازی پر نظر

عورت پبلیکیشن
اینڈ انفارمیشن
سروس فاؤنڈیشن

بانی ادارت: شہلا ضیاء

سرپرست اعلیٰ: نگار احمد

دنیا بھر کی خواتین برابر حقوق اور حیثیت کے لئے یکجا

54 ویں سی ایس ڈبلیو سیشن اور گلوبل این جی او فورم میں بیجنگ + 15 جائزہ کے تحت خواتین کے لئے حکمت عملی اور اہداف کا تعین

تحریر: مہناز رحمان

وقت تیز رفتار پرندے کی طرح اڑتا چلا جاتا ہے اور اپنے پیچھے محض دھندلے نقوش چھوڑ جاتا ہے۔ تاہم بعض واقعات ہمیشہ صاف منقش رہتے ہیں چاہے وقت کی دھول انہیں چھپانے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے۔ یہ 1975ء کی بات ہے، روزنامہ مساوات کی ملازمت کے دوران، میرے علم میں آیا کہ اقوام متحدہ نے 1975ء کو خواتین کا سال قرار دیا ہے اور میکسیکو سٹی میں خواتین کی ایک کانفرنس منعقد کی جارہی ہے۔ خواتین کی اس پہلی عالمی کانفرنس نے 'برابری، ترقی اور امن' پر مبنی فہم کو فروغ دیا۔ مجھے یاد ہے کہ بیگم نصرت بھٹو نے اس کانفرنس میں پاکستانی خواتین کے وفد کی قیادت کی۔ اس کے بعد، ایک سنگ میل کی حیثیت رکھنے والا واقعہ 1995ء میں بیجنگ میں خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس کی صورت میں رونما ہوا۔ اس کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی اس وقت کی وزیراعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو (جو 27 دسمبر 2007ء کو ہم سب کو گہرے صدمے میں مبتلا کرکے دنیا سے رخصت ہوگئیں) نے کی۔ پاکستان کی خواتین کے حقوق کے لئے سرگرم گروپوں اور کارکنوں نے بیجنگ کانفرنس کیلئے قومی رپورٹ کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا۔ بیجنگ +5 جائزہ، سال 2000ء میں اقوام متحدہ میں منعقد ہوا (مجھے یاد ہے کہ دوسروں کے علاوہ میری اتالیق اور عورت فاؤنڈیشن کی شریک بانی شہلاء ضیاء نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی) اور پانچ برس بعد 2005ء میں بیجنگ + 10 جائزہ منعقد ہوا۔

اس مرتبہ، ہم بیجنگ پلیٹ فارم برائے ایکشن اپنائے جانے کے 15 برسوں بعد، پاکستان میں خواتین کے حقوق کے سرگرم کارکنوں کے طور پر، اقوام متحدہ کے کمیشن آن سٹیٹس آف ویمن (سی ایس ڈبلیو) کے 54 ویں اجلاس میں شرکت کر رہے تھے۔ پاکستان کے قومی کمیشن برائے خواتین (این سی ایس ڈبلیو) کی چیئر پرسن انیس ہارون، حکومت پاکستان کے وفد کی قیادت کر رہی تھیں جبکہ وفد میں ممتاز خواتین اراکین پارلیمنٹ شازیہ مری اور عظمٰی بخاری، وزارت ترقی خواتین کے حکام اور این سی ایس ڈبلیو کے اراکین شامل تھے۔

پاکستان سمیت مختلف ملکوں سے این جی او کے نمائندے عالمی این جی او فورم کے دوران B+15 کے جائزے کیلئے نیویارک میں۔

پاکستان سے روانہ ہونے والا این جی او وفد عورت فاؤنڈیشن کے نمائندوں (نعیم مرزا اور مہناز رحمان)، شرکت گاہ (خاور ممتاز، نورین توکل، سارا علی)، اثر (نگہت سعید خان)، روزن (شانہ عارف)، سنگی (عارفہ مظہر)، خووندو کور (مریم بی بی)، برگد (صبیحہ شاہین) اور چرچ آف پاکستان (آئرا اندریاس) پر مشتمل تھا۔ اس اجلاس کیلئے، پاکستان میں نچلی سطح پر خواتین کی سیاسی شرکت کے تجربات سے متعلق جاننے کیلئے عورت فاؤنڈیشن کی سٹیزن ایکشن کمیٹیوں کی دو اراکین، حیدرآباد سے امر سندھو اور نوشہرہ سے نگار رؤف شاہ کو بھی آکسفیم۔ جی بی کی جانب سے مدعو کیا گیا تھا۔ نعیم مرزا اور میں نے سی ایس ڈبلیو کے سیشن کے علاوہ گلوبل این جی او فورم میں عورت فاؤنڈیشن کی نمائندگی کی۔ سی ایس ڈبلیو کا 54 واں اجلاس، بیجنگ اعلامیہ اور پلیٹ فارم برائے ایکشن کے علاوہ، جنرل کونسل کے 23 ویں خصوصی اجلاس (بیجنگ +5) کے نتائج کا جائزہ تھا جو ہزاریئے کے ترقیاتی اہداف کے حصول کی جانب زیادہ جامع صنفی برابری کے تناظر کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اس کا مطمع نظر خواتین کے مرتبہ اور حقوق سے متعلق پیشرفت کیلئے کڑیاں تلاش کرنا تھا۔

ایک مہم جو تمام 54 ویں سیشن پر غالب رہی، وہ GEAR (جنڈر ایکوالیٹی آرکیٹیکچر ریفارم) تھی جو دنیا بھر کی 300 سے زائد تنظیموں کا نیٹ ورک ہے۔ روزن کی شبانہ عارف نے مختلف اداروں، بشمول پاکستان سفارتخانے کے حکام سے مسلسل ملاقاتوں کے ذریعے جی ای اے آر مہم کیلئے انتھک وکالت اور لابنگ جاری رکھی۔

بقیہ صفحہ 6 پر

جائے ملازمت پر ہراساں کئے جانے سے تحفظ کے ایکٹ 2009 کا جائزہ

تحریر: ملیحہ ضیاء

صدر مملکت کی جانب سے 9 مارچ 2010 کو جائے ملازمت پر ہراساں کئے جانے سے تحفظ کے ایکٹ 2009 پر دستخط کے گئے۔ جس کی رو سے جائے ملازمت پر ہراساں کئے جانے کو 'غیر قانونی' قرار دیا گیا ہے۔

اس نئے ایکٹ اور فوجداری قانون (ترمیمی) ایکٹ 2009، جس کے تحت تعزیرات پاکستان کے ضابطہ 1898 کے ایک سیکشن میں ترمیم سے جنسی طور پر ہراساں کئے جانے کو مجرمانہ فعل قرار دے دیا گیا، کے ذریعے کسی بھی جگہ اور مختلف صورتوں میں خواتین کو ہراساں کئے جانے کے خلاف مؤثر تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ اس پیشرفت نے حقوق نسواں کی اس تحریک کو یادگار بنا دیا جو کئی برسوں سے پاکستان میں ہراسیت سے پاک جائے ملازمت اور سماجی ماحول کے قیام کے لئے جدوجہد سے عبارت ہے۔

پاکستان میں صنفی برابری کے حوالے سے یہ ایک قابل ذکر تحریک رہی ہے تاہم معاشرے کو نا صرف روائتی برابری بلکہ اسے عملی حقیت میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

متذکرہ قانون ہمارے لئے ایک وسیلہ ہے جس کا ہمیں فائدہ اٹھانا ہے اس وقت سب سے اہم بات یہ آگاہی ہے کہ ہم اس موقع سے فائدہ کیسے اٹھا سکتے ہیں اور اس کیلئے ذمہ داری کسی پر عائد ہوتی ہے؟ بلاشبہ یہ ذمہ داری ریاست اور اس کے اداروں کی ہے لیکن اسے تبدیل کرنے اور اس تبدیلی سے ہم آہنگ ہونے کی ذمہ داری معاشرے پر بھی عائد ہوتی ہے۔

ہم میں سے ہر شہری کو انسان ہونے کے ناطے اور بحیثیت حقوق نسواں کے سرگرم رکن اس منزل کے حصول کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ احساس رکھتے ہوئے کہ اب ایک قانون منظور ہو چکا ہے، اس پر اظہار مسرت اور باہمی اظہار تہنیت کے ساتھ ہمیں یہ تہیہ کرنے کی ضرورت کہ ہم فقط اسی پہ اکتفا نہیں کریں گے۔ بلکہ خود کو اس قانون اور قانون سازی کی تفصیلات سے آگاہ کریں۔ اسی طرح یہ سمجھنے کہ کوشش کی جائے کہ اس کا اطلاق کیسے ہوتا ہے۔ ہم اس کے ذریعے وہ ماحول کس طرح حاصل کر سکتے ہیں جس کے ہم ہمیشہ آرزو مند رہے۔ زیر منظر مضمون اسی کا جواب دیتا ہے اور بنیادی طور پر ایکٹ اور ترمیم کے مواد پر توجہ مرکوز کرتا ہے تاکہ جو تبدیلی لائی جارہی ہے اس سے سب سے پہلے خود آگاہی حاصل کی جاسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ان آئندہ اقدامات کا خاکہ پیش کرتا ہے جو خواتین کے اس حق اور تحفظ کو یقینی بنانے کیلئے ضروری ہیں۔

جائے ملازمت پر ہراساں کئے جانے کے خلاف تحفظ کے ایکٹ 2009 میں شامل اہم تعریفیں

جائے ملازمت پر ہراساں کئے جانے کے خلاف تحفظ کے ایکٹ (PAHW) میں کافی تعداد میں مثبت اور اہم تعریفیں شامل کی گئی ہیں۔ ان میں ملازمت دہندہ کی وسیع تعریف بھی موجود ہے۔ اس تعریف میں باقاعدہ ملازمین کے علاوہ کنٹریکٹ کی بنیاد پر ملازمین، روزانہ، ہفتہ وار، ماہانہ یا گھنٹوں کی بنیاد پر ملازمت پر موجود کے علاوہ انٹرن اور زیر تربیت لوگ بھی شامل ہیں۔ 'ملازمت دہندہ' کی تعریف یہ بیان کرتی ہے کہ ایک ادارہ، فرد یا افراد کی تنظیم جو خواہ بطور کارپوریٹ رجسٹرڈ ہوں یا نہیں، جو کسی ادارے میں معاہدہ ملازمت کے تحت ملازمت مہیا کریں۔

یہ تعریف دوسروں کے علاوہ ان افراد کو بھی شامل کرتی ہے جن پر ہدایت

بقیہ اگلے صفحے پر

جائے ملازمت پر ہراساں کیئے جانے سے تحفظ کے ایکٹ 2009 کا جائزہ

بقیہ صفحہ 1 سے

کاری، انتظامیہ، انصرامیہ اور انتظام کار پر کنٹرول کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ان میں ٹھیکہ دار یا ٹھیکہ داری کا ادارہ جو کسی اور کیلئے ملازمین کی محنت یا خدمات کا حصول ممکن بناتا ہے اور وفاقی یا صوبائی یا مقامی اتھارٹی کے کسی ڈویژن کے عہدیداران جو انتظامی، دفتری یا شعبہ ہدایت یا نگرانوں یا ایجنٹوں کی سطحوں کے علاوہ وہ جن کا ذکر اس مقصد کیلئے سرکاری گزٹ میں کیا گیا ہو۔ تعریف کے وسیع دائرے میں منتظمین رنگرانوں کے علاوہ مڈل مین اور وفاقی وصوبائی شعبوں کے اور مقامی اداروں کے عہدیداران بھی شامل ہیں۔

ہراساں کئے جانے کا عمل یوں بیان کیا گیا ہے کہ 'جنسی حوالے سے کوئی بھی اقدام، جنسی قربت سے متعلق خواہش کا اظہار یا جنسی نوعیت کا کوئی دوسرا زبانی یا تحریری رابطہ یا جسمانی روش یا جنسی طور پر گھٹیا رویے جو کارکردگی میں مداخلت کے باعث بنیں یا ہراساں کئے جانے کی وجہ بنیں، جارحانہ یا نازیبا ماحول یا ایسی کسی خواہش کی تکمیل نہ ہونے پر شکایات کنندہ کو سزا دینے کی کوشش یا ایسی خواہش کی تکمیل کو ملازمت کے لئے شرط بنایا جانا'۔

'جائے ملازمت' کی تعریف واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ کام کی جگہ یا احاطہ میں اس کا ارتکاب کسی بھی ضرورت میں ہو، اسے ہراساں کیا جانا تصور کئے جانے کے علاوہ دفتری کام یا سرگرمی سے منسلک کوئی بھی حالات چاہے وہ دفتر سے باہر ہی ہوں اسی دائرہ میں آئیں گے۔ لہٰذا اس سے لازمی نہیں رہتا کہ ہراساں کیا جانا محض جائے ملازمت پر کام کے اوقات کے دوران ہی ہو سکتا ہے۔

PAHW کے تحت شکایت کے طریقہ ہائے کار

ایکٹ کے تحت شکایات کرنے کے دو طریق ہائے کار ہیں۔

انکوائری کمیٹی، یا محتسب کے ذریعے۔

انکوائری کمیٹی

ایکٹ کے منظور ہونے کے بعد 30 دنوں کے اندر تمام اداروں میں ایک تین رکنی کمیٹی تشکیل دی جانی ہے۔ اراکین میں ایک کا خاتون ہونا لازمی ہے: ایک سینئر ملازمت دہندہ، ایک سینئر ملازم اور ایک تیسرا رکن جو ادارے کے اندر سے یا باہر سے متفقہ طور پر لیا جا سکتا ہے۔

شکایات چاہے زبانی ہو یا تحریری، کمیٹی اسے وصول کرے گی۔ وصول ہونے کے بعد کمیٹی اُسی ماہ رسمی تحریری رسید کے ذریعے ملزم سے رابطہ کرے گی جس میں اس کے خلاف الزامات درج ہوں گے اور اسے سات دن کے اندر تحریر دفاع داخل کرنے کا پابند کیا جائے گا۔ ایسا نہ ہونے کی صورت میں کمیٹی یک طرفہ کاروائی آگے بڑھائے گی۔ کمیٹی جرح کی اجازت کے ساتھ، الزامات کے دستاویزی یا زبانی شواہد کی چھان بین کرے گی۔

کمیٹی اپنے نتائج سزا سے متعلق سفارشات کیساتھ مجاز اتھارٹی (اداروں کی طرف سے متعین کردہ) کو ارسال کرے گی۔ مجاز اتھارٹی ملزم کو سات دن کے اندر سزا دے گی اور کمیٹی صورت حال کا مسلسل جائزہ لیتی رہے گی تاکہ اس پر اطمینان کیا جا سکے کہ فیصلے کے متعلق اس کی سفارشات پر کسی مجاز اتھارٹی یا ایپلٹ اتھارٹی کی طرف سے نفاذ کیا جا رہا ہے۔

شکایت کنندہ کے ذہنی صدمہ سے دوچار ہونے کی صورت میں ادارہ نفسیاتی، سماجی مشورے یا طبی علاج اور اضافی طبی رخصت کا اہتمام کرے گا۔ ادارہ شکائت کنندہ کو تنخواہ کے نقصان یا کسی دوسرے نقصان کے ازالے کی پیشکش کر سکتا ہے۔ محتسب کو، یا محتسب مقرر ہونے تک، ڈسٹرکٹ کورٹ میں 30 دن کے اندر اپیل کی جا سکتی ہے۔

ایکٹ میں ممکنہ سزا کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

(i) معمولی سزائیں

(الف) ہذف (سنسر)

(ب) ایک خاص عرصہ تک ترقی اور تنخواہ میں سالانہ اضافہ روکا جانا۔

(ج) ایک خاص عرصے کے لئے ملازمت میں کارگردگی کی حدفاصل پر روکنا بجائے اس کے کہ اس حدفاصل کو عبور کرنے کے لئے ناموزوں قرار دیا جانا۔

(د) شکایات کنندہ کو واجب الادا معاوضہ کا حصول ملزم کی تنخواہ یا کسی دوسرے ذریعہ سے کیا جانا۔

(ii) بڑی سزائیں

(الف) نچلی پوسٹ یا ملازمت پر تنزلی یا نچلے درجے پر ملازمت

(ب) لازمی ریٹائرمنٹ

(ج) نوکری سے الگ کرنا

(د) نوکری سے نکال دینا

(س) جرمانہ۔ اس کے ایک حصہ کو شکائت کنندہ کے معاوضہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مالک ہونے کی صورت میں، جرمانے کی ادائیگی شکایت کنندہ کو واجب الوصول ہوگی۔

اس عمل میں ایک بڑا قابل تشویش پہلو یہ ہے کہ اگر انکوائری کمیٹی ملزم کے خلاف الزامات جھوٹے یا بدنیتی پر مبنی خیال کرے تو وہ محتسب کو شکائت کنندہ کے کے خلاف مناسب اقدام کی سفارش کر سکتی ہے۔ ایسے حالات میں جب کمیٹی کسی بھی وجہ سے، بشمول اس تعصب کہ جائے ملازمت پر ہراساں کئے جانے کو قابل سزا جرم کیوں بنایا گیا، شکائت کنندہ کے خلاف تعصب رکھتی ہو، ایسے میں شکایات کنندہ کے لیے اس کے سنگین نتائج ہو سکتے ہیں۔ ایک تعصب اس شق میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے مثلاً ملزم کو قصوروار ثابت ہونے کی صورت میں محتسب کو ریفر نہیں کیا جا رہا اور اس کا معاملہ ادارہ کے اندر طے کیا جا رہا ہے، لیکن شکایات کنندہ 'جھوٹا الزام' عائد کرتا ہے تو اسے فوری طور پر زیادہ سختی سے نمٹا جاتا ہے اور اس کے خلاف مناسب کاروئی کے لئے معاملہ محتسب کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔ اگر اس شق کو 'ضروری' سمجھا گیا تھا تو بھی اس پر کاروائی بھی یکساں ہونی چاہیئے تھی مثلاً کمپنی کے اندر ہی۔

محتسب

وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے دائرہ کار میں دونوں سطحوں پر محتسب (فرد) مقرر کیا جانا شامل کیا گیا ہے جس کی اہلیت ہائی کورٹ کے جج کے برابر ہوگی۔ حکومتوں کے دائرہ میں محتسب کے لئے مالیاتی اور سہولیاتی اعانت بہم پہنچانا بھی شامل ہے۔ تمام شکائت کنندگان کے پاس یہ راستہ موجود ہوگا کہ وہ اپنی شکایات لے کر براہ راست محتسب تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ شکائت ملنے پر محتسب ملزم کو تین دن کا اظہار وجوہ کا نوٹس جاری کرے گا۔ موردالزم پانچ دن کے اندر اس کا تحریری دفاع ارسال کرے گا۔ اس میں ناکام رہنے پر کارروائی یکطرفہ طور پر جاری رہے گی۔ محتسب اس ایکٹ میں بنائے گئے قواعد کے تحت معاملے کی چھان بین کرے گا اور محتسب جیسے مناسب خیال کرے، کاروائی آگے بڑھائے گا۔ ایسی معلومات اور دستاویز جو کسی تفتیش کیلئے مفید ثابت ہو سکتی ہوں، محتسب متعلقہ ادارے یا اس کے کسی رکن کی خدمات مانگنے کا مجاز ہے۔ محتسب احکامات پر عملدرآمد کیلئے اپنے فیصلے کو ریکارڈ کرائے گا اور دونوں فریقوں اور متعلقہ انتظامیہ کو اس سے آگاہ کرے گا۔

فیصلے سے متاثرہ فریق، 30 دن کے اندر کیس کی مناسبت کو دیکھتے ہوئے، صدر یا گورنر سے نظر ثانی کی درخواست کر سکتا ہے۔

تفتیش سے متعلق معلومات مثلاً طلبی، شواہد کی لازمی پیشی، گواہوں کے معائنہ کے اختیار میں محتسب کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو ضابطہ دیوانی پروسیجرز 1908 کے تحت دیوانی عدالتوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ کسی فرد کو توہین عدالت پر سزا دینے سے متعلق محتسب کو وہی اختیار حاصل ہوں گے جو ہائی کورٹ کے ہیں۔ اس معاملے میں فیصلہ دیتے وقت محتسب اوپر بیان کئے گئے کسی بھی سیکشن کو لاگو کر سکتا ہے۔

ملازمت دہندہ کی ذمہ داری

اس ایکٹ کا نفاذ ملازمت دہندہ کی ذمہ داری ہے، بشمول جائے ملازمت پر ہراساں کئے جانے کے خلاف تحفظ سے متعلق ضابطۂ اخلاق کو انتظامی پالیسی کے حصے کے طور پر شامل کرنے اور انکوائری کمیٹی اور مجاز اتھارٹی مقرر کرنے کے انتظامیہ کے دائرہ کار میں ضابطہ کی نقل انگریزی اور اس زبان میں جسے ملازمین کی اکثریت سمجھتی ہو کو ایکٹ کے آغاز سے چھ ماہ کے اندر ادارے اور جائے ملازمت کی نمایاں جگہ پر آویزاں کرنا شامل ہے۔ ملازمت دہندہ کی جانب سے اس سیکشن کی شقوں کی تعمیل میں ناکامی پر، ادارے کا کوئی بھی ملازم ضلعی عدالت میں پٹیشن دائر کرا سکتا ہے اور قصوروار ثابت ہونے پر، ملازمت دہندہ پر جرمانہ کیا جا سکتا ہے جو زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ روپے اور کم از کم 25 ہزار روپے ہوگا۔

فوجداری قانون (ترمیمی) ایکٹ 2009

تعزیرات پاکستان کے ضابطہ 1980 میں اس ترمیم نے جنسی طور پر ہراساں کئے جانے کو موثر طور پر مجرمانہ فعل قرار دیا ہے۔ سیکشن نے توہین آبرو یا جنسی طور پر ہراساں کئے جانے کی وجہ کو بھی جرم قرار دیا۔ اس میں صرف جسمانی طور پر ہراساں کیا جانا شامل نہیں بلکہ کسی لفظ کی ادائیگی، کسی شے سے آواز یا اشارہ دینا جس سے مقصد ایسا ہی لفظ ہو، یا ایسا اشارہ یا چیز، اسے متاثرہ خاتون کی جانب سے ہراساں کئے جانے کے طور پر دیکھا جائے گا، یا یہ ایسی خاتون کی خلوت میں مداخلت تصور ہوگی۔

ترمیم میں یہ بھی جنسی طور پر ہراساں کئے جانے کے عمل میں شامل کیا گیا ہے جب کوئی شخص جنسی حوالے سے کوئی قدم اٹھائے یا جنسی طرز عمل کا مطالبہ کرے خواہ یہ تحریری یا زبانی یا یہ جسمانی عمل کے ذریعے ہو، یا جنسی التفات کا مطالبہ یا اس کیلئے تحریری یا زبانی رابطہ استعمال میں لائے یا جنسی نوعیت کا جسمانی طرز عمل جو دوسرے فرد کو تنگ کرنے، اس کی توہین، ہراساں یا دھمکانے کی نیت سے ہو یا ایسے کاموں کا ارتکاب جائے ملازمت پر کیا جائے، یا کھلے یا ڈھکے انداز میں اس طرز عمل کو تسلیم کرنا ایک فرد کی ملازمت کی شرط بنائی جائے، یا کسی فرد کی جانب سے اس طرز عمل کو مسترد کرنے کو اس کی ملازمت سے متعلق فیصلے کی بنیاد بناتے ہوئے اس پر اثر انداز ہوا جائے، یا ایسے طرز عمل کو مسترد کئے جانے کا بدلہ لیا جائے، یا ایسے طرز عمل کا مظاہرہ کسی فرد کے کام کی انجام دہی میں نامعقول مداخلت کی غرض سے ہو یا دھونس، جارحانہ، یا نازیبا ماحول کار قائم کیا جائے۔

ایکٹ ان تمام کیسوں کی سزا قید جو زیادہ سے زیادہ تین سال اور 5 لاکھ روپے جرمانہ یا دونوں تجویز کرتا ہے۔

یقیناً یہ ایک یادگار اقدام ہے کیونکہ یہ ہراساں کئے جانے کو محض ایک مسئلے کے طور پر شناخت نہیں کرتا بلکہ یہ اسے قابل سزا جرم بھی قرار دیتا ہے۔ یہ ہراساں کئے جانے کو سرکاری اور نجی دونوں مقامات پر جرم بناتا ہے' ساتھ ہی یہ اظہار کرتا ہے کہ جنسی طور پر ہراساں کئے جانے کیلئے ضروری نہیں کہ اس سے فرد کے کام کی انجام دہی متاثر ہو بلکہ اس کی عکاسی ماحول کار سے بھی ہوتی ہے۔

مستقبل کیلئے اقدامات

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا' ان دنوں اقدامات سے آئی تبدیلی کو سراہا گیا اور اظہار مسرت کیا گیا لیکن ہمیں انہیں آگے لے کے جانا ہے۔ اسے عملی حقیقت میں بدلنے کیلئے چند اقدامات کی نشاندہی کی ضرورت ہے۔ یہاں چند تجاویز پیش کی جا رہی ہیں۔

۱۔ حکومت پر اثر ورسوخ کا استعمال تاکہ اس کی تمام وزارتوں' شعبوں اور دفاتر بشمول ٹھیکہ جاتی' ذیلی دفاتر میں ضابطہ اخلاق اپنایا جائے۔

۲۔ حکومت پر اثر ورسوخ استعمال کہ اداروں کی رجسٹریشن کیلئے قواعد میں ان کیلئے اس ضابطہ اخلاق کا اپنانا لازمی قرار دیا جائے۔

۳۔ ایسے اداروں کی نشاندہی کرنا جہاں اب تک ضابطہ اخلاق کو اپنانا اور کمیٹیوں کی تشکیل باقی ہے اور انہیں رپورٹ کرنا اور/یا ان پر ضابطہ اخلاق اپنانے کیلئے اثر ڈالنا۔

۴۔ یہ یقینی بنانا کہ آپ کے اپنے ادارے کی جانب سے ضابطہ اپنایا گیا ہے اور کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔

۵۔ جن اداروں نے ضابطہ اخلاق نہیں اپنایا ان کیلئے یا ان کے ساتھ کاروباری سودے/کام سے متعلق واسطہ رکھنے سے انکار۔

۶۔ حکومت پر فوری طور پر محتسب مقرر کرنے کیلئے اثر ورسوخ کا استعمال۔

۷۔ حکومت پر پی اے ڈبلیو ایچ کو مدد دینے والے قواعد فوری بنیادوں پر تشکیل دینے کیلئے اثر ورسوخ کا استعمال۔

تبدیلی لانے کیلئے ان اقدامات کو معاشرے کی جانب بحیثیت مجموعی اپنانے کی ضرورت ہے' تاہم، ہم سب کی جانب سے بطور فرد اسے خود اپنی اور ان کی زندگیوں میں جو ہمارے اردگرد ہے، اسے لے کر جانا بھی ضروری ہے۔

مضمون نگار عورت فاونڈیشن کی ریٹینر کنسلٹنٹ ھیں۔

’غیرت‘ کے نام پر جرائم سے متعلق قانون میں درکار ترامیم

رپورٹ: عورت فاونڈیشن

پاکستان بھر میں ’غیرت‘ کے نام پر قتل کا رجحان عام ہے تاہم بعض علاقوں میں حالیہ برسوں کے دوران ’غیرت‘ کے نام پر قتل کے واقعات میں تشویشناک شرح سے اضافہ ہوا ہے۔عورت فاؤنڈیشن کی طرف سے خواتین پر تشدد سے متعلق سالانہ رپورٹوں کی غرض سے حاصل کئے گئے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں سال2009 کے دوران604 خواتین ’غیرت‘ کے نام پر قتل کردی گئیں جبکہ سال2008 کے دوران 475 خواتین کی زندگیاں ’غیرت‘ کی نذر ہوئیں۔سندھ میں ’غیرت‘ کے نام پر قتل کو عام طور پر کاروکاری کے نام سے جانا جاتا ہے جہاں ناجائز تعلقات کیلئے موردالزام ٹھہرائی گئی عورت یا مرد یا دونوں کے قتل کو خاندان کی عزت بحال کرنے کیلئے پسندیدہ فعل سمجھا جاتا ہے۔’غیرت‘ کے نام پر قتل کے سماجی طور پر قبول کئے جانے والے فعل کا بلوچی اور سرائیکی لہجے میں کالا۔کالی کے طور پر اظہار کیا جاتا ہے۔یہ ایک بڑا سوال ہے کہ وفاقی حکومت کی جانب سے 2004 میں فوجداری قانون (ترمیمی) ایکٹ کے ذریعے ’غیرت‘ کے نام پر قتل کے خلاف قانون بنائے جانے کے باوجود یہ شرمناک ترین جرم کیونکر جاری ہے اوراس کے ارتکاب میں مسلسل اضافہ کیوں دیکھنے میں آرہا ہے؟

ان سرگرم کارکنوں اورموضوع سے دلچسپی رکھنے والے بعض قانونی ماہرین، جو2004 میں ہونے والی اس قانون سازی کے عمل سے قریبی طور پر وابستہ رہے، کیلئے اس امر کا معمہ نہ ہونا اس لئے واضح ہے کہ جب یہ قانون بنایا جا رہا تھا تب اس میں ’غیرت‘ سے متعلق جرائم سے جڑے دو بنیادی معاملات کو نظرانداز کیا گیا تھا۔

ان معاملات میں :۔

(i) جرم کو نا قابل راضی نامہ نہیں بنایا جارہا تھا اور؛

(ii) قصاص کی استثنٰی ختم نہیں کی جارہی تھی۔

اس قانون کا بے جا دفاع کرنے والوں نے نقطۂ نگاہ پیش کیا کہ چونکہ ایکٹ سے ضابطہ تعزیرات پاکستان (پی پی سی) اور ضابطہ فوجداری عمل (سی آر پی سی) میں ترمیم، کاروکاری کو قتل اور قابل تعزیر سزا بنانے کیلئے عمل میں لائی گئی اس لئے یہ کاروکاری کو قتل تصور کئے جانے کی جانب ایک مثبت پیشرفت ہے۔ان حلقوں کے مطابق پیشرفت کو خوش آئندہ سمجھا جائے اوراس موقع غنیمت سے جو مل رہا ہے اسے حاصل کرتے ہوئے مزید کیلئے کاوشیں جاری رکھی جائیں۔

دوسری جانب ناقدین کا کہنا تھا کہ قانون میں کوئی جان نہیں اوراس سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہونگے کیونکہ یہ بنیادی اہمیت کے معاملات کا جواب نہیں دیتا مثلاً وہ معاملات جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔

نام نہاد ’غیرت‘ کے نام پر قتل سے متعلق قانون بننے کے بعد اب یہ چھٹا سال ہے اور حالات اس قانون کے ناقدین کی طرف سے اظہار کئے گئے اندیشوں کو درست ثابت کررہے ہیں۔ بلا شبہ، یہاں دوسرے عوامل بھی کارفرما ہیں مثلاً قانون کا غیر موثر نفاذ، شعبہ انصاف اور پولیس میں اصلاحات کا فقدان اور طاقت کی بنیاد پر قائم قبائلی اور جاگیردارانہ ڈھانچوں کیلئے حکمران، اشرافیہ اور قانون میں حمائت۔قانون کے ناقدین کا نقطۂ نظر تھا کہ ایکٹ اس سنگین جرم کا ارتکاب کرنے اوراس میں اعانت بہم پہنچانے والوں کیلئے سزا یقینی بناتے ہوئے خواتین کو حقیقی تحفظ فراہم کرنے کے مقصد پر پورا نہیں اترتا اور یہ زیادہ تر تعزیرات پاکستان کی قصاص اور دیت کی شقوں کی ہی بات کرتا ہے۔

ایکٹ سے کیا حاصل ہوا (’غیرت‘ سے متعلق جرائم کے حوالے سے)

1۔ ایکٹ نے ’غیرت‘ سے متعلق جرائم کی ایک تعریف یوں متعارف کرائی کہ ’جرم جو ’غیرت‘ کے نام یا اس کو جواز بنا کر کیا جائے‘۔اس کے معنی ہیں کہ وہ جرم جو کاروکاری، سیاہ کاری یا اسی طرح کی دوسری رسوم یا روایات کے نام پر یا ان کو جواز بناتے ہوئے کیا جائے۔

2۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ’غیرت‘ کے نام پر قتل کی سزائیں صرف سزائے موت یا عمر قید مثلاً25 سال قید ہوگی۔ البتہ، یہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ اس شق کا اطلاق ان صورتوں میں نہیں ہو گا: (الف) جہاں قتل عمد واجب القصاص نہ ہو؛ یا (ب)، جہاں جرم کی بخشش یا راضی نامہ کی بنیاد پر صلح صفائی کرلی گئی ہو۔

3۔ اس میں قرار دیا گیا کہ ’غیرت‘ سے متعلق جرم سے جڑے قتل کے کیسوں میں ملزم/مجرم کو ولی کی فہرست میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

4۔ قتل عمد واجب القصاص نہ ہونے کے کیسوں میں، اس قانون سے تعزیر کی صوابدیدی سزا کی حد بڑھا دی گئی جس کے تحت عدالت14 سے25 سال تک کی قید سنا سکتی ہے۔یہ ترمیم عمومی ہے اور ’غیرت‘ کے نام پر قتل سے متعلق مخصوص نہیں۔

5۔ اس کے تحت بدل صلح کے طور پر عورت کو شادی یا اس کے بغیر حوالے کرنے کی ممانعت کی گئی اور ایسے جرائم کیلئے کم از کم3 سال اور زیادہ سے زیادہ10 سال کی قید بامشقت رکھی گئی۔ اس سے قبل کی شق صرف یہ بیان کرتی تھی کہ عورت کو شادی میں دینا جائز بدل صلح نہیں۔

6۔ اُن کیسوں میں جہاں قتل عمد میں، جہاں قصاص کے حق کو بخش دیا گیا یا راضی نامہ کرلیا گیا ہو، ترمیم کے ذریعے تعزیر کی صوابدیدی شرح کی حد میں اضافہ کیا گیا جس میں عدالت14 سال قید سے سزائے موت یا عمر قید سنا سکتی ہے۔اس میں ’غیرت‘ کے نام پر قتل کو فساد فی الارض کی تعریف میں شامل کیا گیا اور ’غیرت‘ کے نام پر قتل کی کم از کم سزا10 سال رکھی گئی۔

7۔ اقدام قتل کے معاملات میں جہاں سزا10 سال تک ہوسکتی ہے، ’غیرت‘ سے متعلق جرم کی صورت میں یہ کم از کم5 سال کی لازمی سزا تجویز کرتا ہے۔

8۔ مجروع کئے جانے کے کیسوں میں کہا گیا ہے کہ تعزیر کی سزا جو عدالت دوسرے کیسوں میں سنا سکتی ہے، ’غیرت‘ سے متعلق جرائم کے کیس میں بیان کی گئی زیادہ سے زیادہ سزا کی ایک تہائی سے کم نہیں ہوگی۔

9۔ اس میں بیان کیا گیا کہ ’غیرت‘ سے متعلق جرم بخشے جانے یا راضی نامہ ہونے کی صورت میں، عدالت فریقین کی رضامندی سے ایسی شرائط لاگو کرسکتی ہے جو وہ درست خیال کرے۔

مسودۂ قانون میں مسائل/کوتاہیاں کیا ہیں (’غیرت‘ سے متعلق جرائم کے حوالے سے)

i۔ ایکٹ میں سب سے بڑا اور انتہائی باعث نقصان مسئلہ یہ رہا ہے کہ اس نے ’غیرت‘ سے متعلق جرائم پر سزا کو لازمی نہیں بنایا اور یہ امر، اس ضمن میں قانون سازی کے تمام تر مقصد کو فوت کردیتا ہے۔

ii۔ قصاص سے بخشش یا راضی نامہ کی شقیں مصالحت کا راستہ ہموار کرتی ہیں خصوصاً اس لئے کہ اس نوعیت کے زیادہ جرائم خاندان کے قریبی اراکین میں وقوع پذیر ہوتے ہیں اور یوں ’غیرت‘ سے متعلق جرائم میں مصالحت قابل اطلاق رہتی ہے (سیکشن 309311,310 اور338ای کی شقیں ختم نہیں کی گئیں)۔

iii۔ جہاں سیکشن311 میں ترامیم (جو قتل عمد میں حق قصاص کی بخشش یا راضی نامہ کے بعد تعزیر سے متعلق ہیں)، ’غیرت‘ کے نام پر قتل کو فساد فی الارض کی تعریف میں لانے اور جرم کیلئے کم از کم سزا10 برس قید بیان کرتی ہیں، وہاں وہ یہ تشریح نہیں کرتیں کہ کس سزا کا نفاذ لازمی ہے۔

iv۔ سیکشن211 ان حالات کا احاطہ نہیں کرتا جن میں تعزیر کی سزا قابل بخشش یا قابل راضی نامہ ہے (جو قانون کے تحت قابل اجازت ہے)۔یہ صرف ان حالات کو موضوع بناتا ہے جہاں حق قصاص کو بخش دیا گیا ہے یا راضی نامہ کرلیا گیا ہے۔لہٰذا عدالت ملزم پر تعزیز عائد کرتی ہے اوراس کی بخشش یا راضی نامہ ہوجاتا ہے، ایسے میں کم از کم10 سال کی سزا قابل اطلاق نہیں ہوگی۔

v۔ سیکشن ان حالات کو موضوع نہیں بناتا جہاں قصاص کی سزا قابل اطلاق یا قابل نفاذ نہیں۔لہٰذا ان میں حق قصاص کی بخشش یا راضی نامے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

vi۔ ایکٹ قاتلانہ حملے یا مضروبیت کی دوسری شکلوں (سیکشن324 اور337 این) کیلئے جہاں کم سے کم سزا کا ذکر کرتا ہے، وہاں، یہ تمام جرائم ’غیرت‘ سے متعلق ہونے کی صورت میں قابل راضی نامہ ہیں، جو ان شرائط کے مطابق ہوگا جو عدالت فریقین (سیکشن338ای) کی رضامندی سے لاگو کرسکتی ہے، اور یہ عدالت کی صوابدید پر رکھا گیا ہے کہ وہ تعزیر جاری کرسکتی ہے اور اگر ہاں، تو اس کی حد کیا ہوگی۔ یہ بھی نا قابل فہم ہے کہ لاگو ہونے والی شرائط کے ساتھ ملزم/مجرم کی رضامندی بھی کیوں درکار ہے۔

vii۔ ایکٹ سے متعلق ایک اور انتہائی سنجیدہ مسئلہ یہ ہے کہ قتل عمد کے ان کیسوں، جہاں قصاص قابل اطلاق یا قابل نفاذ نہیں، ان میں کم از کم سزا کا ذکر موجود نہیں (سیکشن306 307, اور308)۔ یہاں یہ یاد رہنا ضروری ہے کہ سیکشن306 (بی) اور (سی) کے تحت، ’غیرت‘ کے نام پر قتل کرنے والے کے قریبی رشتہ دار (باپ، داد، شوہر وغیرہ) کو قصاص کی ادائیگی سے استثنٰی دیا گیا ہے۔ لہٰذا، سیکشن311 (جو تعزیر سے متعلق ہے جہاں قصاص کی بخشش یا راضی نامہ کرلیا گیا ہو) کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا۔ان کے کیسوں میں قابل اطلاق شق سیکشن308 میں ہے، جس میں کی گئی ترمیم یہ کہتی ہے کہ عدالت، کیس کے حقائق اور حالات کی مناسبت سے، جرم کا ارتکاب کرنے والے کو قید کی سزا سنا سکتی ہے اور جو25 برسوں تک محیط ہوسکتی ہے۔لہٰذا، قریبی رشتہ داروں کی مذکورہ درجہ بندی کیلئے، کوئی کم از کم لازمی سزا نہیں رکھی گئی۔ اور وہ کم از کم یا سرے سے کسی سزا کے بغیر چھوٹ سکتے ہیں۔

viii۔ ایکٹ ’غیرت‘ کے نام پر قتل اور ’غیرت‘ سے جڑے مضروبیت کے جرائم کی تعریف کو یکجا کردیتا ہے جس سے ایک اور مسئلہ (سیکشن299) سامنے آجاتا ہے۔ اولاً، ’غیرت‘ سے جڑے دوسرے جرائم (مثلاً تیزاب پھینکنا، سوختگی، ناک کاٹنا وغیرہ) عام طور پر خواتین سے تعلق رکھتے ہیں۔اگر اسے صنفی لحاظ سے یکساں رکھا جائے تو یہ الٹے اثر کا حامل ہوسکتا ہے، مثلاً اگر کسی خاتون کے ساتھ فحش یا قابل اعتراض رویہ اختیار کرنے پر کوئی شخص اس آدمی کو مضروب کرنے کا باعث بنتا ہے تو وہ بھی اتنی ہی سخت سزا کا موجب ہوجائے گا۔

ix۔ یہ قرار دینے سے کہ ’غیرت‘ کے نام پر قتل (جہاں سیکشن309 اور310 کے تحت قابل بخشش یا راضی نامہ نہیں ہو، یا ملزم کو سیکشن306 یا307 کے تحت استثنٰی حاصل نہیں) کی سزائیں موت برائے قصاص یا موت یا عمر قید بطور تعزیر (سیکشن302) ہی ہوسکتی ہیں، ایکٹ مجرم ٹھہرانے کے امکانات محدود کردیتا ہے۔ بڑی سزائیں رکھنے میں جہاں اچھی نیت کارفرما ہوسکتی ہے، وہاں یہ الٹے اثر کی حامل بھی ہوسکتی ہے۔

جہاں عدالتیں ’غیرت‘ سے متعلق جرائم کے کیسوں میں سخت سزائیں دینے میں پہلے ہی متامل ہوں، کم از کم سزا25 سال یا سزائے موت رکھے جانے سے ان کیسوں میں مجرم ٹھہرائے جانے کے عمل کی حوصلہ شکنی ہوسکتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے اجتماعی زنا بالجبر کے کیسوں میں لازمی سزائے موت، مجرم ٹھہرانے کو تقریباً ناممکن بنا دیتی ہے۔

x۔ ایکٹ میں ایسی کوئی شق موجود نہیں جو یہ یقینی بنا سکے کہ دوسرے افراد مثلاً جرگے، پنچائتیں، اراکین خاندان (بزرگ وغیرہ) جو ایسے قتل کی حوصلہ افزائی یا ان پر مہر رضامندی ثبت کرتے ہیں، اور یوں بنیادی طور پر ان معمولات کے جاری رہنے کے ذمہ دار ہیں، انہیں قانون کے تحت برابر واجب السز اقرار دیا جائے۔

xi۔ ایکٹ میں ایسی کوئی شق نہیں جو یقینی بنائے کہ جب عدالتیں جرائم کے قابل راضی نامہ ہونے کی اجازت دیں، وہ پہلے اپنا اطمینان کامل کرلیں کہ جرم ’غیرت‘ سے متعلق نہیں ہے۔ یہ یاد رہنا ضروری ہے کہ اگر ایسے جرائم کیلئے سخت سزائیں قانون کا حصہ بن جائیں، ارتکاب جرم کرنے والے ممکنہ طور پر جرم کا محرک ’غیرت‘ نہ بتانے کی راہ اختیار کرلیں۔لہٰذا، عدالتوں کے لئے یہ اہم ہے کہ وہ جرائم سے قابل راضی نامہ ہونے کی اجازت دینے سے قبل معاملے کا درست تعین کرلیں۔

قانون کو زیادہ موثر بنانے کے لئے کیا ہونا چاہئے؟

مثالی طور پر، مسودۂ قانون کو یقینی بنانا چاہیئے کہ:

☆ ’غیرت‘ سے متعلق تمام جرائم کی کم از کم لازمی سزا موجود ہے۔قتل کی صورت میں یہ سزا کم از کم 14 سال اور دوسرے جرائم کی صورت میں رکھی گئی زیادہ سے زیادہ کا کم از کم نصف ضرور ہو۔

☆ قصاص سے بخشش اور قابل راضی نامہ ہونے کی شقیں، اور جیسا کہ قریبی رشتہ داروں کے لئے استثنٰی موجود ہے ’غیرت‘ سے متعلق جرائم پر ان کا اطلاق نہ کیا جائے۔

☆ ’غیرت‘ کے نام پر قتل یا ایسی کسی کوشش کو ’غیرت‘ کا نام پر دوسرے جرائم کی تعریف سے علیحدہ اور بہتر بنایا جانا۔

☆ وہ لوگ جو ’غیرت‘ سے متعلق جرائم کی حوصلہ افزائی یا اس پر مہر قبولیت ثبت کرنے میں ملوث ہوں، انہیں قانون کے تحت یکساں طور پر واجب السز ابنایا جائے۔

☆ عدالتیں، کسی بھی جرم کو قابل راضی نامہ ہونے کی اجازت دینے سے قبل، پہلے لازمی طور پر اطمینان کامل کریں کہ جرم ’غیرت‘ سے متعلق نہیں ہے۔

(رپورٹ: ن م)

’غیرت‘ کے نام پر جرائم سے متعلق قانون کا پس منظر

تحریر: نعیم مرزا

میں یہاں قدرے تفصیل سے ماضی میں جھانکتے ہوئے اس امر کا کا تعین کرنا چاہوں گا کہ ’غیرت‘ سے متعلق جرائم کے معاملے سے نمٹنے کے لئے قانونی اصلاح کا عمل کیسے شروع ہوا اور کیسے قانون بننے پر منتج ہوا۔ اس کا مقصد ہمیں خود اپنے آپ کو ان کوششوں سے متعلق یاد دہانی اور تجدید عہد کرانا ہے جو اس عمل کے دوران کی گئیں اور اسے ایک اور موقع دینے اور قانون کی اصلاح کے ساتھ وابستگی کا عزم تازہ کرنا ہے تاکہ پاکستان کے ماتھے سے اس بدنما داغ کو مٹایا جا سکے۔

مجھے یاد ہے کہ سال 2003ء کے اختتام پر عورت فاؤنڈیشن کی شہلا ضیاء نے اس قانون کا مسودہ چند ہم خیال این جی اوز، دوستوں اور ملک کے ممتاز قانونی ماہرین (جسٹس (ر) ماجدہ، رضوی، حنا جیلانی، انیس ہارون، سید اقبال حیدر، جسٹس (ر) شائق عثمانی اور سینئر وکیل رشید رضوی کی مشاورت کے ساتھ تیار کیا۔ مسودہ قانونی وزارت ترقی نسواں اور تمام سیاسی جماعتوں کی سینئر قیادت کے سپرد کیا گیا۔

وزارت ترقی نسواں کی سربراہی اس وقت نیلوفر بختیار بطور مشیر برائے وزیراعظم کر رہی تھیں (اب وہ سینیٹر ہیں)۔ مسودہ قانون ان کے حوالے کیا گیا جنہوں نے اپنی سیاسی جماعت میں حقوق نسواں کی پرزور علمبردار ہونے کے ناطے اس بل کو آگے لے کر چلنے اور ایک قانون کی شکل دینے میں بھرپور دلچسپی کا اظہار کیا۔ 2004ء کی ابتدا میں چند سیاسی حلقوں کی جانب سے اس پر عملی پیش رفت کا آغاز کیا گیا۔

پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹرینز نے ’غیرت‘ کے نام پر قتل سے متعلق اپنا مسودہ قومی اسمبلی سیکرٹریٹ میں (فروری 2004) جمع کر دیا جو اس کی رکن قومی اسمبلی شیری رحمان کی ذاتی کاوش تھی۔ انہوں نے بخوشی وہی مسودہ جسے شہلا ضیاء نے تیار کیا تھا کو قومی اسمبلی میں پیش کیا۔ بل قومی اسمبلی کے ریکارڈ کا حصہ ہے اور یہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں وہ تمام ترامیم شامل ہیں جو اس جرم کو ناقابل راضی نامہ بنا سکیں اور دوسرے کئی مثبت پہلوؤں کے علاوہ جرم کا ارتکاب اور اس کی اعانت کرنے والوں کے لئے قصاص کی استثنیٰ کو ختم کیا گیا تھا۔

پی ایم ایل (ق) کے اراکین اسمبلی، مہناز رفیع اور ایم پی بھنڈارا نے بھی اس معاملے پر پرائیویٹ ممبرز بل لانے کی کوشش کی جو عورت فاؤنڈیشن کے مسودہ کی بنیاد پر تھا لیکن انہیں اپنی سیاسی جماعت کی جانب سے یہ کہہ کر ایسا کرنے سے روک دیا گیا کہ حکومت خود اپنا مسودہ لے کر آ رہی ہے۔

فروری 2004ء میں، وزارت ترقی نسواں اور عورت فاؤنڈیشن کے مابین سرکاری مسودہ کی تیاری کے لئے بھرپور مشاورت کا عمل شروع ہوا اور اس سلسلے کا پہلا اجلاس شہلا ضیاء اور وزارت ترقی نسواں کے قانونی ماہرین کے مابین ہوا۔ 3 جون کو لیجسلیٹو واچ گروپ، اسلام آباد، جو شہلا ضیاء، صابرہ قریشی، طاہرہ عبداللہ، فرزانہ باری، شہناز احمد اور نعیم مرزا پر مشتمل تھا، کی نیلوفر بختیار اور ان کی ٹیم کے ساتھ ملاقات ہوئی تاکہ سرکاری بل کے مجوزہ مواد پر بحث کی جا سکے۔ گروپ کی جانب سے اس موقف کو دہرایا گیا کہ اگر حکومت قانون میں اصلاح کیلئے مخلص ہے تو اسے سول سوسائٹی کے پیش کئے گئے بنیادی اجزا کو بہرصورت اپنانا چاہیئے۔

وزارت ترقی نسواں نے جہاں سول سوسائٹی کے پیش کئے گئے مسودہ قانون کے واضح نکات سے اتفاق کا اظہار کیا وہاں اس تشویش کا اظہار بھی کیا کہ اسے بعض حلقوں کی جانب سے سخت مزاحمت کا سامنا ہے۔ 30 جولائی کو حکومت نے خاموشی کے ساتھ قومی اسمبلی میں مسودہ قانون پیش کر دیا اور سپیکر نے اسے متعلقہ قائمہ کمیٹی کو بھیج دیا۔ عورت فاؤنڈیشن کی طرف سے اس بل کی حاصل کی گئی نقل سے انکشاف ہوا کہ یہ مسودہ نا صرف انتہائی کمزور ہے بلکہ قانون سازی کی انتہائی گنجلک شکل ہے۔ اس پر عورت فاؤنڈیشن نے محسوس کیا کہ اسے موجودہ صورت میں قانون کی شکل دینے سے مسئلے کے حل میں کوئی قابل ذکر مدد نہیں ملے گی۔

اگست میں وزارت ترقی نسواں میں ایک اور اجلاس ہوا جس کے دوران شہلا ضیاء اور نعیم مرزا نے وزیراعظم کی مشیر اور ان کی ٹیم کو مسودہ قانون کی واضح خامیوں سے متعلق باور کرانے کی کوشش کی۔ اس پر وزارت نے شہلا ضیاء کو ہنگامی بنیادوں پر ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے تحریری طور پر تجاویز دینے کیلئے کہا کیونکہ وزارت کے مطابق مسودہ کا جائزہ لینے کے لئے قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی کا اجلاس 11 اگست کو منعقد ہونا تھا۔ شہلا ضیاء نے سرکاری مسودہ قانون سے متعلق اپنی انتہائی مایوسی پر قابو پاتے ہوئے اور نجی طور پر اپنے رفقاء کو آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ حکومت ایک مضبوط مسودہ قانون لانے میں قطعی سنجیدہ نہیں ہے 9 اور 10 اگست کو تجاویز پر کام کیا اور مسودہ کو بہتر بنانے کے لئے متبادل ترامیم کا مجموعہ تیار کیا بعد ازاں ان ترامیم کا مسودہ بمعہ سرکاری مسودہ پر تنقیدی تبصرے کے، عورت فاؤنڈیشن نے ایک کتابچہ ہم غیرت سے متعلق جرائم کے خاتمے کے لئے مضبوط اور مئوثر قانون سازی کا مطالبہ کرتے ہیں‘ شائع کیا) اور 11 اگست کے اجلاس سے قبل اسے نیلوفر بختیار اور قائمہ کمیٹی کے دیگر اراکین کے سپرد کیا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ پیش کی گئی تجاویز نے کمیٹی کو باہم تقسیم کر دیا اور اسے حالیہ شکل میں جلد بازی سے منظوری دینے سے روک دیا۔

مسودہ بل کو مکمل تباہ کن نتائج کا حامل ہونے سے بچانے کی آخری کوشش کے طور پر 11 ستمبر کو وزارت ترقی نسواں میں شہلا ضیاء اور نعیم مرزا کی نیلوفر بختیار اور ان کی ٹیم سے ایک اور اہم میٹنگ ہوئی۔ نیلوفر بختیار کی ٹیم میں وزارت قانون کے نمائندے بھی شامل تھے اور حکومت نے اس موقع پر عورت فاؤنڈیشن کے نمائندوں پر دوٹوک انداز سے واضح کر دیا کہ حکمران جماعت، وزارت قانون اور حکومت میں شامل بعض دوسرے عناصر، ’غیرت‘ سے جڑے جرائم سے متعلق قانون میں قصاص اور دیت کی نام نہاد اسلامی سزاؤں کو چھیڑنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

عورت فاؤنڈیشن نے 7 اکتوبر کو اس معاملے پر عوامی سیمینار کا انعقاد کیا۔ دریں اثناء حکومت کے رویئے کو محسوس کرتے ہوئے سول سوسائٹی کی تنظیموں نے 8 اکتوبر کو اسلام آباد میں ’غیرت‘ کے نام پر قتل کے مذکورہ قانون کے خلاف ریلی کی منصوبہ بندی کی۔ اس جلسہ کا انعقاد پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے ہونا تھا تاکہ خواتین کے خلاف تشدد کے اس اہم معاملے پر مضبوط موقف اختیار کرنے کے لئے حکومت اور اراکین پارلیمنٹ پر دباؤ ڈالا جا سکے۔ 8 اکتوبر کو عاصمہ جہانگیر، شہلا ضیاء، نگار احمد، طاہرہ عبداللہ، نسرین اظہر، فرزانہ باری و دیگر کی قیادت میں اس ریلی کو زبردست پذیرائی حاصل ہوئی (اسلا آباد میں سول سوسائٹی تنظیموں کی طرف سے یہ سب سے بڑا اجتماع تھا)۔

15 اور 16 اکتوبر کو شہلا ضیاء کو ایک بار پھر وزارت ترقی نسواں میں مدعو کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ اگر سول سوسائٹی کی تنظیمیں، ماسوائے قصاص اور دیت کے معاملے کے، موجودہ بل میں تبدیلی تجویز کرنا چاہتی ہیں تو وہ اب بھی یہ تجاویز دے سکتی ہیں۔

بادل نخواستہ شہلا ضیاء نے ترامیم کا ایک اور مجموعہ تیار کیا تاکہ مسودہ قانون کو قدرے مئوثر بنایا جا سکے۔ انہوں نے یہ ترامیم بمعہ ایک خط (جو نگار احمد نے تجویز کیا تھا) وزارت کے سپرد کیا جس میں کہا گیا کہ عورت فاؤنڈیشن مسودہ قانون خصوصاً قابل راضی نامہ ہونے اور کم از کم لازمی سزاؤں کے معاملے پر بنیادی مسئلے کو یکسر نظرانداز کئے جانے کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔

قومی اسمبلی کے دوسرے پارلیمانی سال کا آخری سیشن شروع ہونے پر، حکومت نے اس معاملے پر قانون سازی کے لئے انتہائی عجلت دکھاتے ہوئے، 22 اکتوبر (جمعہ) کو بل قومی اسمبلی کے ایجنڈے میں شامل کیا۔ ہفتہ اور اتوار (23-24 اکتوبر) کو اقومی اسمبلی کی چھٹی تھی۔

25 اکتوبر کو متعلقہ قائمہ کمیٹی نے مسودہ قانون پر اپنی رپورٹ پیش کی۔ ایوان نے اس کی پہلی ریڈنگ کی اور اسی روز اس پر مختصر بحث ہوئی۔ اگلے روز 26 اکتوبر کو جو قومی اسمبلی کے دوسرے پارلیمانی سال کا آخری دن تھا، مسودہ قانون کو حزب اختلاف کے اراکین کی عدم موجودگی س میں سادہ اکثریت سے منظور کر لیا گیا۔ بدقسمتی سے، قومی اسمبلی کی طرف سے منظور کئے گئے حتمی مسودہ قانون میں دوسروں کے علاوہ، عورت فاؤنڈیشن (شہلا ضیاء) کی طرف سے پیش کی گئی کسی بھی اہم ترمیم کو شامل نہ کیا گیا۔ البتہ ’غیرت‘ کے نام پر قتل کا معاملہ چونکہ قومی سیاست میں توجہ کا مرکز بن رہا تھا اور سیاسی جماعتوں اور میڈیا میں ایک قابل ذکر حصہ ’غیرت‘ سے متعلقہ جرائم میں سمجھوتے اور قابل راضی نامہ ہونے کے معاملات کو اجاگر کر رہا تھا، پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹرینز اور ایم کیو ایم کے کئی اراکین اسمبلی نے سرکاری مسودہ قانون کی منظوری کے وقت اس کی شدید مخالفت کی۔

27 اکتوبر کو سول سوسائٹی تنظیموں نے اس معاملے پر ایک سخت اخباری بیان جاری کیا جس میں موجودہ شکل میں مسودہ قانون کو مسترد کر دیا گیا۔ سول سائٹی تنظیموں نے 29 اکتوبر کو اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس کے ذریعے مسودہ قانون سے لاتعلقی کا اظہار بھی کیا۔

اس مسئلے کو قانون ساز اراکین کے سامنے رکھنے کے عمل کو آگے بڑھاتے ہوئے، پارلیمنٹ ہاؤس میں سینٹ کے ساتھ ایک حکمت عملی کیلئے ایک میٹنگ کا انعقاد کیا گیا جس کے دوران شہلا ضیاء، طاہرہ عبداللہ، راشدہ دوہد، نسرین اظہر اور نعیم مرزا نے رضا ربانی، لطیف کھوسہ اور سفندیار ولی پر مشتمل سینیٹرز کے گروپ کے ساتھ گفتگو کی کیونکہ اس مسودہ قانون کو اب سینٹ سے منظوری درکار تھی۔ سول سوسائٹی کے ان نمائندوں نے اراکین سینیٹ کو مسودہ قانون کی خامیوں سے آگاہ کیا۔ بعد ازاں، یہ مسودہ قانون بہرحال قانون میں تبدیل ہو گیا۔

گھریلو تشدد کے خلاف بل ثالثی کمیٹی میں زیر بحث

وزارت ترقی خواتین کی ایڈوائزر محترمہ یاسمین رحمٰن نے عورت فاؤنڈیشن کی ٹیم سے ملاقات کے دوان بتایا کہ گھریلو تشدد کے خلاف بل بہت جلد قومی اسمبلی میں پیش کیا جائے گا۔

گھریلو تشدد کا بل پچھلے سال سینٹ میں ایک ممبر کے چند اعتراضات کی وجہ سے التواء میں پڑنے کے بعد پارلیمنٹ کی ثالثی کمیٹی (Mediation Committee) کے سپرد کیا گیا تھا۔ تاکہ ان اعتراضات کا جائزہ لیا جائے اور اتفاق رائے پیدا کیا جائے۔ اس کے بعد بل کو دوبارہ پہلے اسمبلی اور پھر سینٹ میں پیش کیا جائے۔ اس وقت تک ثالثی کمیٹی نے اپنے چیئرپرسن چوہدری عبدالغفور کی زیر صدارت میں دو میٹنگز کی ہیں۔ کمیٹی کی ممبر محترمہ عطیہ عنایت اللہ تندہی کے ساتھ ممبران پارلیمنٹ کو قائل کرنے میں مصروف ہیں۔

ثالثی کمیٹی کے ممبران نے اسلامی نظریاتی کونسل کے نمائندوں سے بھی ملاقاتیں کیں تاکہ انکی طرف سے اٹھائے جانیوالے اعتراضات کی وضاحت کی جا سکے۔

عورتوں کیخلاف تشدد کا یہ بل وزارت ترقی نسواں کی ایڈوائزر محترمہ یاسمین رحمان نے اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا۔ اسی طرح کے دو بل جو محترمہ شیری رحمٰن اور محترمہ مہناز رفیع نے پچھلی اسمبلی میں 2004ء اور 2005ء میں پیش کئے تھے جو التوا کا شکار ہو گئے تھے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ گھریلو تشدد کے خلاف موثر قانون سازی کی کوشش ساتویں سال میں داخل ہو گئی ہیں۔ ہم پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے ممبران سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ موجودہ بل میں موجود جائز خامیوں کو دور کرنے کیلئے سنجیدگی اور خلوص نیت کے ساتھ غور کریں، اور پاکستان میں صنفی بنیادوں پر جاری گھریلو تشدد کے مستقل خاتمے کیلئے ایک موثر قانون تشکیل دیں۔

نئے سماجی معاہدے کیلئے امن اتحاد کی قرارداد

عوامی اسمبلی 22 مارچ لاہور

23 مارچ (یومِ پاکستان) کے حوالے سے قراردادِ لاہور کی 70 ویں سالگرہ منانے کے لیے امن اتحاد کے زیرِ اہتمام مورخہ 22 مارچ 2010ء کو الحمراء کلچرل کمپلیکس، قذافی سٹیڈیم لاہور، میں ایک پروقار تقریب 'عوامی اسمبلی' کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں ملک بھر سے مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے 4000 ہزار سے زائد افراد (مرد و خواتین) بالخصوص کسان، مزدور، سینیٹری ورکرز، بھٹہ مزدور، لیبر یونینز، ٹیچر ایسوسی ایشن، نوجوانوں کے گروہ، اقلیتی نمائندوں، سیاسی کارکنوں، صحافیوں کی تنظیموں، سماجی کارکنوں اور سول سوسائٹی کی تنظیموں اور انسانی حقوق کے نمائندوں نے شرکت کی۔

امن اتحاد پاکستان بھر میں شہریوں اور سماجی تنظیموں کے درمیان تعلق استوار کرنے کیلئے پلیٹ فارم کا کام کر رہا ہے۔ یہ اتحاد جولائی 2009ء میں ایک ملکی سطح کے مشاورتی اجلاس میں تشکیل دیا گیا۔ امن اتحاد امن، قانون کی حکمرانی، انصاف، جمہوریت اور تمام پاکستانیوں کیلئے باعزت زندگی کے حصول کیلئے جدوجہد کر رہا ہے۔ اس جدوجہد کے پہلے مرحلے میں امن اتحاد نے مورخہ یکم جنوری کو ''یوم یکجہتی'' منایا۔ اس دن پاکستان کے 60 سے زائد شہروں اور قصبوں میں ایک ہی وقت میں امن ریلیاں نکالی گئیں۔ لاہور عوامی اسمبلی بھی امن اتحاد کی ایک کاوش تھی جس کا بنیادی مقصد قراردادِ لاہور کی سترویں سالگرہ کے موقع پر عوامی مکالمے اور بحث کو آگے بڑھانا تھا کہ وہ اس قرارداد کی روشنی میں پاکستانی ریاست کے خدوخال اور ایک نئے عمرانی معاہدے کی تشکیل کر سکیں جو 1940ء کی قرارداد کے اصل جذبے کی عکاسی کرتا ہو۔ عوامی قرارداد کی تیاری کے سلسلے میں عوامی مباحثے کیلئے 20 فروری تا 10 مارچ 2010ء کے درمیان پاکستان کے 90 اضلاع میں عوامی اسمبلیاں منعقد کی گئیں۔ ان عوامی اسمبلیوں کے بنیادی مقاصد میں، لوگوں سے متعلقہ بنیادی موضوعات پر بات چیت کیلئے لوگوں کو پلیٹ فارم مہیا کرنا، تمام شہریوں بالخصوص پسماندہ طبقات بشمول خواتین کیلئے ایسی جگہ فراہم کرنا جہاں وہ زیرِ بحث موضوع کے حوالے سے اپنی ترجیحات، خواہشات و خیالات اور توقعات کے مطابق آواز اٹھا سکیں، نیز شہریوں کو موقع فراہم کرنا تاکہ وہ اپنے مسائل پر مشترکہ عمل اور تحریک کیلئے حکمت عملیاں وضع کر سکیں، شامل تھے۔ اس کے علاوہ ضلعی سطح پر منعقد کی جانے والی ان عوامی اسمبلیوں میں عوام کے سامنے 13 سوالات رکھے گئے جس میں ان سے یہ پوچھا گیا کہ وہ کیسا پاکستان چاہتے ہیں؟

یہ عوامی قرارداد امن کے نظریہ اور سمت کے بارے پاکستان میں رہنے والے شہریوں کی ترجمان ہے برعکس اسکے کہ وہ یہ ظاہر کرے کہ 1940 میں لیڈروں کے خواب کیا تھے؟ اس موقع پر مختلف مقررین نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر محمد تحسین نے کہا کہ 1940ء میں جس سوچ کے ساتھ اس ملک پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تھی آج یہ بالکل اُس کے برعکس ہے۔ مذہب کے نام پر دہشت گردی فروغ پا رہی ہے اور عوام غربت کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اُنہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ آئینِ پاکستان میں تمام شہریوں بشمول غیر مسلم اقلیتوں کی مشاورت سے ان کے مذہبی، ثقافتی، نسلی و لسانی، معاشی، سیاسی حقوق اور مفادات کو لازمی تحفظ دیا جائے۔ اُنہوں نے مزید کہا کہ یہ تحفظ حقیقی جمہوریت کے ستونوں، احتساب اور شفافیت کے فروغ کو یقینی بنائے تاکہ سیاسی طور پر ایسی مستحکم ریاست تشکیل پا سکے جو تمام شہریوں کیلئے باوقار زندگی کو یقینی بنائے۔ عمر اصغر خان فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر علی اصغر خان نے کہا کہ شہریوں کو مساوی مواقع اور حقوق دلوانے کیلئے ادارے مضبوط کیے جائیں۔ پارلیمنٹ کی بالادستی قائم کی جائے تاکہ قوانین، پالیسیوں اور بہتر طرزِ حکومت کے ذریعے ریاست برائے دفاع و سلامتی کو ریاست برائے عوامی بہبود میں ڈھالا جا سکے، جہاں عدلیہ آزادی اور برابری کی بنیاد پر سب کو انصاف دے سکے۔ اس موقع پر چاروں صوبوں سے آئے ہوئے عوامی نمائندوں (راشدہ دوہد، رازق فہیم، نعیم مرزا، رخشندہ ناز اور جامی چانڈیو) نے یہ عوامی قرارداد پڑھ کر سنائی جسے لوگوں نے متفقہ رائے سے منظور کیا۔

قراردادِ عوام 22 مارچ لاہور

''چونکہ پاکستان کے عوام کو گذشتہ چھ دہائیوں سے ایک آزاد اور خودمختار ریاست کے شہری کے حقوق کے فوائد سے محروم رکھا گیا ہے،

چونکہ پاکستان کے صوبوں کو 1940ء کی قراردادِ لاہور کے مطابق خودمختاری نہیں مل سکی، چونکہ ہمارا ملک امن، انسانی سلامتی اور عوامی خدمات و سہولیات مہیا کرنے والے اداروں کے ارتقائی مراحل طے کرنے میں ناکام رہا ہے،

لہٰذا شہریوں نے ملک کے کونے کونے میں ہونے والی عوامی اسمبلیوں میں اکٹھے ہو کر ایک نئے عمرانی معاہدے کے لئے آواز اٹھائی۔

آج اسی شہر میں جہاں 70 سال قبل قراردادِ لاہور منظور ہوئی تھی، یہ عوامی اسمبلی ملک بھر میں ہونے والی عوامی اسمبلیوں کی اجتماعی آواز کے طور پر یہ قرار دیتی ہے کہ:

آئینِ پاکستان میں تمام شہریوں بشمول غیر مسلم اقلیتوں کی مشاورت سے ان کے مذہبی، ثقافتی، نسلی و لسانی، معاشی، سیاسی حقوق اور مفادات کو لازمی تحفظ دیا جائے۔ یہ تحفظ حقیقی جمہوریت کے ستونوں احتساب اور شفافیت کے فروغ کو یقینی بنائیں۔ تاکہ سیاسی طور پر ایسی مستحکم ریاست کی تشکیل ہو سکے جو تمام شہریوں کے لئے باوقار زندگی کو یقینی بنائے۔

اور یہ کہ تمام شہریوں کو مساوی مواقع اور حقوق دلوانے کیلئے ادارے مضبوط کیئے جائیں۔ پارلیمنٹ کی بالادستی قائم کی جائے تاکہ قوانین، پالیسیوں اور بہتر طرزِ حکومت کے ذریعے ریاست برائے دفاع و سلامتی کو ریاست برائے عوامی بہبود میں ڈھالا جا سکے۔ جہاں عدلیہ آزادی اور برابری کی بنیاد پر سب کو انصاف دے سکے۔ یہ ایک ایسی ریاست بنے جو انصاف مہیا کرے، معیاری تعلیم اور صحت دے، سب شہریوں کو روزگار مہیا کرے۔ ایک ایسی ریاست جو پورے خطے بالخصوص ہمسایہ ممالک کے ساتھ عدم مداخلت کے اصول اور علاقائی تجارت کے ذریعے امن کو فروغ دے۔ ایک ایسی ریاست جو امن سے رہے اور اپنے شہریوں کو ایسا کرنے کے لئے متحرک ہو۔

یہ اسمبلی اپنی اس واضح سوچ کا اظہار کرتی ہے کہ اس ملک میں کوئی بھی آئینی منصوبہ اُس وقت تک نہ تو قابلِ عمل ہوگا اور نہ ہی لوگوں کو قبول ہوگا جب تک صوبے خودمختار نہیں ہوں گے اور اپنے معاملات لوگوں کی خواہشات کے مطابق نہیں چلاتے۔ صوبوں کو اپنے وسائل پر مکمل اختیار ہونا چاہیے۔

اس اسمبلی کی یہ بھی رائے ہے کہ پارلیمنٹ ایسے قوانین بنائے اور ان کے عملدرآمد پر نظر رکھے جو شہریوں بالخصوص غریب، محروم اور پسے ہوئے طبقات کو جبر و استحصال سے تحفظ دے۔ ریاست کا فرض ہے کہ قانون و انصاف کی ایسی عمل داری قائم کرے کہ ہر شخص خصوصاً مقتدر طبقہ اپنے عمل اور بے عملی کے لئے جوابدہ ہو۔

یہ اسمبلی مزید قرار دیتی ہے کہ شہریوں کے درمیان اور ریاست اور شہریوں کے درمیان ایک عمرانی معاہدہ ترتیب دیا جائے۔ تمام قوانین اور ان پر عمل درآمد کیلئے طریقے اس عمرانی معاہدے کے مطابق وضع ہوں۔ اس عمرانی معاہدے سے متصادم قوانین کو منسوخ کیا جائے۔ تمام پالیسیاں، بین الاقوامی اور بین الصوبائی تعلقات عوام کے اس اجتماعی خواہش کے مطابق ہوں جس کی غمازی یہ نیا عمرانی معاہدہ کرتا ہے۔''

اس عوامی قرارداد کی منظوری کے بعد عوامی اسمبلی کے کوآرڈینیٹر عرفان مفتی نے کہا کہ یہ عوامی اسمبلی پُرامن، جمہوری اور خودمختار پاکستان کے حصول کی جدوجہد کا آغاز ہے اور ابھی اسے ایک تحریک کی شکل اختیار کرنا ہے۔ ہم جب تک اپنا وہ پاکستان حاصل نہیں کر لیتے، جس کا خواب علامہ اقبال اور قائدِ اعظم محمد علی جناح نے دیکھا تھا، یہ تحریک جاری و ساری رہے گی۔

عوامی قرارداد منظور ہونے کے بعد ایک ثقافتی میلے کا اہتمام کیا گیا جس میں تمام صوبوں، علاقائی اور ثقافتی اکائیوں کے نامور فنکاروں، بابا نجمی، سائیں ظہور احمد، شکیل اعوان، باقی خیال، دلاور لوہار، مُراد پارکوئی، یامین بدر اور حمید بدر اور چولستان ڈویلپمنٹ کونسل کی جھومر پارٹی نے، اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔

انڈین پارلیمنٹ میں عورتوں کی 33 فی صد نمائندگی کا بل

عورتوں کی مخصوص نشستوں کا آئینی بل (108 واں ترمیمی بل) انڈین پارلیمنٹ کے ایوان زیریں یا انڈین لوک سبھا اور باقی ریاستی اسمبلیوں میں عورتوں کیلئے کل نشتوں کے 33 فی صد مخصوص نمائندگی کا موقع فراہم کرتا ہے۔ عورتوں کی مخصوص نشتوں کا یہ بل راجیا سبھا (ایوان بالا) 9 مارچ 2010ء کو منظور کیا گیا۔

اب یہ بل انڈین لوک سبھا (ایوان زیریں) میں پیش ہونا ہے اور اگر وہاں سے بھی منظور ہو گیا تو اس پر عملدر آمد کیا جائے گا۔ اس بل کے تحت عورتوں کی مخصوص نشتیں قرعہ اندازی کے ذریعے اس طرح طے کی جائیں گی کہ ہر حلقے میں ہر تین عام انتخابات میں ایک بار عام انتخابات کے ذریعے عورتیں منتخب ہو کر آئیں گی۔

عورتوں کیلئے مخصوص نشتوں کا یہ بل پہلی بار چودہ سال پہلے لوک سبھا میں پیش ہوا تھا۔ کئی بار مسلسل ناکامی کے بعد اس بار اس بل کے حق میں 186 جبکہ اسکی مخالفت میں صرف ایک ووٹ پڑا۔ اس بل کے ذریعے لوک سبھا کی کل 543 نشتوں میں 181 اضافی نشتوں اور 28 ریاستوں کی اسمبلیوں میں کل 4,109 نشتوں میں 1,370 اضافی نشتیں عورتوں کے لئے مخصوص ہوں گی۔ لوک سبھا کے ممبر برندا کرات نے یہ کہتے ہوئے کہ ''عورتوں کیلئے مخصوص نشتوں کا یہ بل صرف شیڈول کاسٹ، شیڈول قبیلوں، پسماندہ طبقوں، غریب عورتوں اور مسلم عورتوں کو فائدہ پہنچائے گا'' اس تاثر کو زائل کیا کہ اس بل سے صرف ایک محدود اقلیت کو فائدہ ہوگا۔ جے ڈی (یو) پارٹی کے صدر شرد یادیو، جو اس بل کے سخت مخالف مانے جاتے تھے، انہوں نے پارٹی کے بزرگ رہنماؤں اور بہار کے وزیر اعلیٰ نتش کمار کے مشورے پر اس بار اس بل کی مکمل حمایت کی اور اس پارٹی کے سات ممبروں میں سے اکثریت نئے بل کی حمایت میں ووٹ دیا۔

اداریہ

اقوام متحدہ کے کمیشن آن دی سٹیٹس آف وومن کا 54 واں اجلاس اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی بلڈنگ میں یکم تا بارہ مارچ 2010ء منعقد کیا گیا۔ اجلاس میں عورتوں کے اس کمیشن نے بیجنگ اعلامیہ اور عمل کا پلیٹ فارم اور جنرل اسمبلی کے 23 ویں خصوصی اجلاس کا جائزہ لیا گیا۔ اس اجلاس میں اقوام متحدہ کے ممبر ملکوں، غیر سرکاری تنظیموں کے نمائیندوں اور اقوام متحدہ کے مختلف اداروں نے شرکت کی۔

کمیشن آن دی سٹیٹس آف وومن (CSW) کے 54 ویں اجلاس کی دو ہفتوں پر مشتمل بحث و تمحیص کا بنیادی مقصد ہزاریئے کے ترقیاتی اہداف (MDGs) اور بیجنگ پلیٹ فارم فار ایکشن' میں طے کیئے گئے بنیادی مقاصد کی بنیاد پر صنفی برابری اور عورتوں کی بااختیاری کو قومی پالیسیوں، حکمت عملیوں، پروگرام اور انکے اطلاق کا لازمی حصہ بنانا تھا۔ اجلاس میں مطالبہ کیا گیا کہ اقوام متحدہ کے ممبر ممالک انسانی حقوق کے عالمی معاہدوں مثلاً 'عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کے خاتمے کا معاہدہ معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کا عالمی معاہدہ' اور آئی۔ ایل۔ او معاہدوں کے تحت، ایسے تمام قوانین، ضابطوں، پالیسیوں اور رسم و رواج کا جائزہ لیں، ان میں ترمیم کریں یا ان کا خاتمہ کریں جو عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کا باعث بنتے ہیں۔ اجلاس کے شرکاء نے اقوام متحدہ کے ممبران ممالک سے اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ وہ اپنی قومی پالیسیوں، ترقیاتی منصوبوں، اُن پر عملدرآمد، انکی افادیت کے جائزے اور اس حوالے سے اعداد و شمار کے حصول میں صنفی برابری کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

پاکستان نے صنفی برابری اور عورتوں کی ترقی کے حوالے سے اپنے ایجنڈے کو شہید محترمہ بینظیر بھٹو کے نظریات کے تحت چار جہتی حکمت عملی پر ترتیب دیا جس میں غربت کی عورتوں سے منسوبیت کو کم کرنا، صنفی برابری کی ترغیب، عورتوں کیخلاف تشدد کا خاتمہ اور عورتوں کی بااختیاری میں اضافہ شامل ہیں۔ کمیشن آن دی سٹیٹس آف وومن (CSW) اور اسکے ساتھ ساتھ منعقد کئے جانیوالے گلوبل این جی او فورم کے دو روزہ اجلاس کے علاوہ بے شمار اجلاس غیر سرکاری تنظیموں، بالخصوص عورتوں کے حقوق کی امریکی تنظیموں ڈونرز اور اقوام متحدہ کے ممبران ملکوں کی طرف سے یکجہتی کا بے مثال نمونہ تھا، جس میں عورتوں کے حقوق کی تحریکوں نے نسلی، ثقافتی، مذہبی اور علاقائی سرحدوں سے بالاتر ہو کر عورتوں کے حقوق کیلئے ایک آواز اور مشترکہ نقطہ نظر کے ساتھ حصہ لیا۔ اس موقع پر عورتوں کی بااختیاری کیلئے باہمی جذبہ اور جدوجہد حیران کن حد تک اثر انگیز تھی۔

ایسا لگتا تھا کہ ایک اور بیجنگ اعلامیہ لکھا جا رہا ہے اس اجلاس میں شامل سیاسی اور سماجی ورکرز کا جذبہ اور امید بلاشبہ اس بات کا واضح اظہار تھا کہ زندگی سے متعلق فیصلہ سازی میں عورتوں کی مکمل شمولیت کے بغیر یہ دنیا ایک اچھی جگہ نہیں ہو سکتی۔

قانون سازی پر نظر

عورت پبلیکیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن

'قانون سازی پر نظر' عورت پبلیکیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن کے لیجسلیٹو واچ پروگرام فار ویمنز امپاورمنٹ کی رسورس سروس کی طرف سے اسلام آباد سے تیار کیا جاتا ہے

ایڈوائزری بورڈ

آئی۔اے۔رحمان، طاہرہ عبداللہ

ایڈیٹوریل بورڈ

وسیم واگھا، ثروت وزیر، نعیم مرزا

آپکے خطوط، آراء اور تحریریں باعث خوشی ہونگی اسکے لئے ہاؤس نمبر 28، سٹریٹ نمبر 39، جی۔سیکس۔ٹو، اسلام آباد پر رابطہ کریں۔

فون: 051-2277512-2277547
فیکس: 051-2822060
ای میل: lwprs@af.org.pk
ویب سائٹ: www.af.org.pk

دنیا بھر کی خواتین برابر حقوق اور حیثیت کے لئے یکجا

بقیہ صفحہ 1 سے

27 اور 28 فروری کو عورت فاؤنڈیشن کی ٹیم نے این جی اووفد کے دوسرے اراکین کے ہمراہ سالویشن آرمی آڈیٹوریم نیویارک سٹی میں گلوبل این جی اوفورم برائے خواتین: بیجنگ +15 میں شرکت کی۔ رجسٹریشن کی کھڑکی کے سامنے بہت سی خواتین موجود تھیں جنہیں دیکھتے ہوئے ہمیں خدشہ لاحق ہوا کہ ہم کبھی اندر داخل نہیں ہوسکیں گے لیکن مشفق رضا کار مسلسل یقین دہانی کراتے رہے کہ وہ ہمارے لئے نشتوں کا اہتمام کرلیں گے۔ جب ہم آڈیٹوریم میں داخل ہوئے تو افغانستان کے انڈیپنڈنٹ ہیومن رائٹس کمیشن کی سربراہ ڈاکٹر سیما ثمر کلیدی خطاب کر رہی تھیں۔

ڈاکٹر سیما ثمر نے عہد حاضر کی دنیا، جو افراتفری اور مسائل، ناانصافیوں اور عدم برابری، جنگوں اور تنازعات، جبر اور تشدد سے بھری پڑی ہے، کا ذکر کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ شرکاء میں سے کوئی اس بیان سے عدم اتفاق نہیں کرسکتا کہ ''ہم (خواتین) ان برے آدمیوں کی مائیں ہیں۔'' اس موقع پر خواتین کے حقوق سے متعلق مختلف معاملات پر کئی پینل مباحثے ہوئے جیسا کہ ''خواتین کے حقوق سے متعلق پیشرفت 1975-2010ء: خواتین پر عالمی کانفرنسوں سے کیا حاصل ہوا''، اور ''دنیا کی خواتین کی حالت: خاندانی جبر، خواتین اور لڑکیوں پر تشدد، خواتین کی صحت اور ماحولیاتی تبدیلی''۔ معروف سرگرم کارکنوں اور ماہرین نے خواتین سے متعلق تقریباً ہر معالے پر مرکوز انداز سے گفتگو کی، جس کے بعد معاملات کی ترجیحات بندی کی گئی تا کہ حتمی سفارشات تیار کی جاسکیں۔

این جی فورم کا ناقابل فراموش ایونٹ خواتین کے حقوق کی تاریخ پر سکول کے بچوں کی جانب سے پیش کیا گیا خاکہ تھا۔ یہ چلڈرن تھیٹر کمپنی کی پیشکش تھی جو اس یقین کامل پر قائم ہے کہ تھیٹر کے جادو کے ذریعے بچے اور نوجوان، تبدیلی کی آواز اور زخموں پر مرہم کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ پیشکش میں تاریخ کے ہر موڑ پر خواتین کے حقوق کی جدوجہد کا سفر دکھایا گیا۔ اس کے بعد ایک گروپ ورک رکھا گیا تھا۔ ایشیاء اور بحرالکاہل سے تعلق رکھنے والے ہمارے گروپ کی سہولت کاری ایک نیپالی سرگرم رہنما نے کی۔ اس کی جانب سے پوچھے گئے اس سوال میں کہ گزشتہ 15 برسوں میں خواتین کے حوالے سے کیا مثبت پہلو سامنے آیا، عورت فاؤنڈیشن کا جواب تھا کہ ''خواتین کی سیاسی عمل میں زیادہ شرکت۔'' ابتدائی عدم اتفاق اور کچھ بحث کے بعد سب نے اس بیان سے اتفاق کیا۔

28 فروری کو نعیم مرزا، عارفہ مظہر اور مجھے سی ایس ڈبلیو کے سیشن کے لئے رجسٹرڈ ہونے کی خاطر اقوام متحدہ کی مرکزی عمارت جانے اور نہ ختم ہونے والی قطار کا حصہ بننے کا اتفاق ہوا۔ تاہم نیٹ ورکنگ کے بعض واضح مسائل کے باوجود، ان لمبی قطاروں کا مثبت پہلو شرکاء میں ایکان کا وہ احساس تھا جو غالب رہا اور کسی نے شکوہ نہ کیا۔ شرکاء کے علامتی نشان حاصل کر لینے اور شناخت اور تصاویر لئے جانے کا عمل مکمل ہونے کے بعد اگلی مشکل اجلاسوں میں داخل ہونے کی تھی۔ آفیشل اجلاسوں کیلئے داخلے کے پروانے رکھے گئے تھے جو کم پڑ گئے اور فرش پر بیٹھنے تک کی جگہ دستیاب نہ رہی۔ ایک اندازے کے مطابق اس موقع پر 8000 سے زائد خواتین موجود تھیں۔

یکم مارچ سے، سی ایس ڈبلیو کے اجلاس اقوام متحدہ کی مرکزی عمارت میں منعقد ہونے لگے جبکہ این جی اوز کے متوازی اجلاس زیادہ تر اقوام متحدہ کے چرچ سینٹر میں منعقد ہوئے۔ سی ایس ڈبلیو کے ادوار بیجنگ پلیٹ فارم برائے ایکشن کے نفاذ کے اعلیٰ سطحی جائزہ پر مرکوز تھے۔ ہر ملک کے وفد کے سربراہ کو پانچ منٹ دیئے گئے تا کہ وہ اپنے ملک میں بیجنگ پلیٹ فارم برائے ایکشن کے نفاذ سے متعلق تجربات اور اچھی معلومات سے متعلق دوسروں کو آگاہ کریں۔

سی ایس ڈبلیو نے 3 مارچ کو اپنے ایک سیشن کو عالمی یوم خواتین منانے کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ کیا تاہم اس روز صبح کو ہلکی برفباری شروع ہوگئی اور ہمارے ہوٹل سے اقوام متحدہ کی عمارت تک کا پیدل سفر کافی ہمت آزما مہم بن گیا۔ صبح کی کارروائی میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون بطور مہمان خصوصی تھے۔ نیشنل کمیشن آن ویمن اینڈ چلڈرن کی نائب سربراہ منگ ژیاوسی اور ناروے کے وزیر برائے صنفی برابری اور بہبود اطفال، اوڈن لائبکن بھی موجود تھے۔ ان کے ابتدائی کلمات کے بعد باہمی رابطے پر مبنی پینل مباحثہ منعقد ہوا جس کے لئے رہنمائی کے فرائض معروف صحافی ماریہ ہنوجوسہ نے سنبھالے۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے تاریخی خطاب کیا اور صنفی برابری کے ساتھ اقوام متحدہ کی وابستگی اور خواتین کی جانب سے پہلے ہی حاصل کی جا چکی کامیابیوں کو اجاگر کیا۔ اپنے خطاب میں انہوں نے کہا ''1995ء میں خواتین چوتھی عالمی کانفرنس کے بعد سے اب تک، آگے بڑھنے کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ اب زیادہ لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں خصوصاً پرائمری کی سطح پر جبکہ بڑھتی ہوئی تعداد میں ممالک نے صنفی برابری اور تولیدی صحت کی تائید میں پالیسیاں اور قانون سازی اختیار کی ہے۔ گزشتہ برس ستمبر میں اعلان کیا گیا تھا کہ اقوام متحدہ کی چار ایجنسیوں اور دفاتر بشمول یواین ڈویلپمنٹ فنڈ فار ویمن (یواین آئی ایف ای ایم) کا ادغام کیا جائے گا اور عالمی ادارے کے تحت ایک واحد تنظیم قائم کی جائے گی جو دنیا بھر میں خواتین کے حقوق اور بہبود کو فروغ دینے اور صنفی برابری کے لئے کام کرے گی''۔ بان کی مون نے جنرل اسمبلی پر زور دیا کہ ''بلاتاخیر'' اس نئی تنظیم کے قیام کے لئے قرارداد منظور کرے۔ ان کی تقریر ختم ہونے پر ہال اور مہمانوں کی گیلری تالیوں کی آواز سے گونج اٹھی۔ ہم نے دیکھا کہ سیکرٹری جنرل مسکراتے ہوئے گیلری کے اس حصے کی جانب ہاتھ ہلا رہے تھے جہاں صف اول پر سرگرم خواتین کا ایک گروپ اپنے ہاتھوں میں پلے کارڈ لئے ہوئے تھا اور ان کے حروف کی ترتیب اس جملے کے طور پر ابھر رہی تھی GEAR UP NOW

پاکستانی این جی اوز بے چینی سے حکومت پاکستان کی رپورٹ کا انتظار کر رہی تھیں جسے 3 مارچ کو شام کے سیشن میں این سی ایس ڈبلیو کی چیئرپرسن انیس ہارون نے پیش کرنا تھا۔ ہم نے یقینی بنایا کہ مندوبین کے کانفرنس ہال میں ہم سب کو نشتیں حاصل رہیں۔

سی ایس ڈبلیو کے 54 ویں سیشن سے خطاب کرتے ہوئے انیس ہارون نے کہا کہ حکومت ایک چار جہتی حکمت عملی کے تحت سابق وزیراعظم شہید بے نظیر بھٹو کی اس بصیرت کو حقیقت بنانے کے لئے پیشرفت کر رہی ہے جو خواتین کے بااختیار ہونے سے متعلق تھی۔ انہوں نے کہا کہ یہ حکمت عملی غربت میں کمی، صنفی برابری کے فروغ، خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمہ اور خواتین کو بااختیار بنانے کیلئے ضروری قانون ساز ڈھانچہ قائم کرنے پر مشتمل ہے۔

انیس ہارون نے خصوصیت کے ساتھ قانون سازی کی حالیہ پیشرفت کا ذکر کیا جس میں خواتین کے حقوق کے تحفظ کے قوانین اپنانا شامل ہے۔ ان میں فوجداری قانون (ترمیم) ایکٹ 2009ء اور جائے ملازمت پر ہراساں کئے جانے کے خلاف تحفظ کے بل 2009ء کے علاوہ گھریلو تشدد (سدباب اور تحفظ) بل جو پارلیمنٹ سے منظوری کے مراحل میں ہے۔ قانون سازی پر مبنی یہ اقدامات حصہ داروں بشمول سول سوسائٹی کی تنظیموں کی شرکت کے ساتھ کئے جا رہے ہیں۔

پاکستانی این جی اوز اپنے ساتھ این جی اوز کی قومی مشاورت کی ابتدائی رپورٹ بھی لئے ہوئے تھیں۔ اس رپورٹ کے مطابق، پاکستان میں بیجنگ + 15 کے عمل نے اے پی این جی اوفورم کے لئے اے پی ڈبلیوڈبلیو کی طرف سے طے کئے گئے فریم ورک ''بنت دانش سامنائے بحران اور تشکیل مستقبل'' کی پیروی کی گئی۔ اس میں بیجنگ پلیٹ فارم برائے ایکشن (پی ایف اے) کے طے کئے گئے مقاصد کی تکمیل کیلئے سول سوسائٹی کی تنظیموں (مرد وخواتین دونوں کی سرکردگی میں) اور تحریکوں کے کردار کو اجاگر کیا گیا۔

قومی جائزہ سے جن معاملات کی عکاسی کی کوشش کی گئی ان میں خواتین کی تحریک کی دلچسپی کے امور، تجربات اور سفارشات کے وسیع نقوش کی عکاسی، جو بین الاقوامی معاہدوں اور امور ہائے عمل سے نابلد ہیں ان کی ان امور سے روشناسی، نمائندہ گروپوں کی علاقائی این جی اوا اور اقوام متحدہ کے مباحثوں میں شرکت کیلئے سہولت کاری، مشاورت کے نتائج اور قومی رپورٹ کو ایک زیادہ وسیع حلقے تک پہنچانے اور احساس ملکیت اور احتجاجی پروگراموں کی بنیاد پر ایک جامع اور وسیع البنیاد لائحہ عمل کی تیاری شامل ہیں۔

جائزہ کا انعقاد شرکت گاہ اور اثر ریسورس سینٹر کی سرکردگی میں ہوا تھا اور یہ دو بڑی سرگرمیوں پر مشتمل تھا۔ ایک این جی اوز کا تیار شدہ نمونہ جاتی سروے تھا جس میں بیجنگ پلیٹ فارم برائے ایکشن کے اہم حصوں سے متعلق سرگرمیوں کے بارے میں معلومات یکجا کی گئی تھیں اور دوسرا لاہور میں دو روزہ قومی کانفرنس کے انعقاد کی رپورٹ تھی۔ اس ابتدائی رپورٹ کے مطابق 'خواتین کے مسائل پر بالخصوص اور دوسرے کمزور گروپوں پر بالعموم عملی اور حکمت عملی کی ضروریات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ملک بھر میں این جی اوز/سی ایس اوز، نچلی سطح سے صوبائی اور قومی سطحوں پر وسیع نوعیت کی سرگرمیوں میں مصروف عمل رہی ہیں۔ پاکستانی این جی اوز گزشتہ پانچ سالوں میں سماجی تحریکوں میں بھی سرگرم حصہ لیتی رہی ہیں اور وسیع سماجی تبدیلی اور اس میں خواتین کے کردار کی شمولیت کے لئے خواتین کے ایجنڈا کے وسعت پذیر ہونے کو نمایاں کرتی رہی ہیں۔

ہم نے UNIFEM کے سیشن ''بحرانوں پر ردعمل، نسائی تحریک حقوق نسواں کے تناظر میں'' بھی شرکت کی۔ اس میں گفتگو کے پینل میں سی ڈبلیو جی ایل کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر رادھیکا بالاکرشن، افریقہ میں صنفی واقتصادی اصلاحات کی محقق حمدہ دیدات، ویمن فار چینج فار زیمبیا ایٹ سوشل واچ کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر ایملی سکازوے، بارڈ کالج میں معاشیات کی اسسٹنٹ پروفیسر گل انال اور (DAUN, WWG-FFD) کی پولیٹیکل کانفرنس آف گلوبلائزیشن کی کوآرڈینیٹر مرینہ درانو شامل تھیں۔

اس موقع پر بہت کچھ کہا گیا تاہم درج ذیل نکات کلیدی تھے۔ الف) دنیا کے بہت سے ممالک کے لئے بحرانات نئے نہیں ہیں۔ درحقیقت دنیا کے جنوب کا بڑا حصہ مستقل طور پر بحرانوں کے مجموعے کا سامنا کرتا آیا ہے جو خوراک، نگہداشت، ماحول، پانی اور توانائی کی مسلسل ہنگامی صورتحال پر مشتمل ہیں؛ ب) دوسرے بحرانوں کی طرح یہ بحران بھی از خود پیدا نہیں ہوئے۔ یہ نمایاں سرمایہ دارانہ ممالک کی طرف سے ریگولیٹری نظام میں تبدیلیوں کا نتیجہ ہیں جس نے مالیاتی نظام کی ناپائیدار وسعت پذیری کی اجازت دی۔

2 مارچ کو اے ڈبلیو آئی ڈی، سوشل واچ اور ڈویلپمنٹ آلٹرنیٹو ود ویمن فار اے نیو ایرا (DAWN) نے ''صنف پر نگاہ: مالیاتی بحران کے الزامات پر علاقائی تناظر'' کا انعقاد کیا۔ اس سیشن نے لاطینی امریکہ، افریقہ، یورپ اور ایشیاء سے صنفی برابری/خواتین کے حقوق کے علمبرداروں کو یکجا کر دیا کہ وہ باقاعدہ بحرانوں کے خواتین پر اثرات کے حوالے سے علاقائی، قومی اور مقامی تناظر میں بات کریں، چھان بین کریں اور جائزہ لے سکیں۔ اس موقع پر اٹھائے گئے نکات میں ایک کلیدی نکتہ یہ تھا کہ ''آج اس امر میں بہت کم شبہ رہ گیا ہے کہ ترقی اور تعمیر کا نیولبرل نمونہ ناکام ہوچکا ہے۔ بحران جو ناکام نمونے کی ایک ظاہری علامت ہے، درحقیقت ایک ساختی بحران ہے اور یہ کثیر سمتی اور باقاعدہ ہے۔ یہ محض مالیاتی اور معاشی بحران نہیں بلکہ یہ خوراک، پانی، ماحول، روزگار، نگہداشت اور ایندھن کا بحران بھی ہے۔ خواتین کے حقوق کے علمبردار اور تنظیمیں کئی دہائیوں سے اس نمونہ کو مسترد کر چکی ہیں مگر اس کے باوجود اہل اقتدار اسی کو آگے بڑھاتے آئے ہیں۔''

گو اب یہ اقوام متحدہ کی کانفرنسوں کی مستقل خصوصیت ہے کہ ان کے ساتھ ساتھ کئی متوازی ایونٹ منعقد ہوتے ہیں جن کا انعقاد این جی اوز بشمول انٹرنیشنل این جی اوز، فکری گروپوں یا خود اقوام متحدہ کی ایجنسیوں یا فنڈنگ ایجنسیوں کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ تاہم اس بار اقوام متحدہ میں سی ایس ڈبلیو کے 54 ویں اجلاس کے موقع پر این جی اوز کی طرف سے متوازی ایونٹس کے انعقاد کا یہ بے نظیر مظاہرہ تھا۔ ان این جی اوز میں دوسری ڈونرز اور یواین ایجنسیوں کے علاوہ بنیادی طور پر حقوق نسواں کی امریکی تنظیمیں اور گروپ شامل تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے نیویارک سٹی ایک بہت بڑے ویمن ریسورس سنٹر یا یوں کہیے کہ غیر رسمی طور پر ایک اور بیجنگ کا منظر پیش کر رہا تھا۔

پانچ مارچ 2010ء کو عورت فاؤنڈیشن کی سیٹیزنز ایکشن کمیٹی کی دو نمائندوں نے آکسفیم جی بی کے زیر اہتمام منعقدہ ایک ایونٹ میں حاضرین کی بڑی تعداد کی موجودگی میں اپنی گذارشات پیش کیں۔ انہوں نے نچلی سطح پر اپنے کام کی تفاصیل پیش کیں جن سے سیاسی شرکت کے میدان میں خواتین کی کامیابیوں کو اجاگر کیا گیا۔ امر سندھو اور نگار روف دونوں نے واضح کیا کہ کس طرح مقامی نظام حکومت کے ذریعے خواتین بااختیار ہو رہی ہیں اور کس طرح وہ انتہائی بندشوں کے باوجود صنفی ترقیاتی سکیموں کے حصول کے لئے دلیرانہ اقدام اٹھاتی رہی ہیں۔ انہوں نے عورت فاؤنڈیشن کے پروگرام ''ریزنگ ہر وائس'' کا بھی ذکر کیا جس کے تحت پاکستان کے تیس اضلاع میں مقامی خواتین رہنماؤں کے گروپ تشکیل دیئے گئے ہیں۔

مضمون نگار عورت فاؤنڈیشن کے کراچی آفس کی ریذیڈینٹ ڈائریکٹر ہیں۔

عورتوں کے گھریلو کام کا غیر محسوس ہونا

تحریر: ام لیلیٰ

خواتین کی پاکستان میں غیر رسمی کاروباری شعبے میں شرکت نہ صرف یہ کہ بہت زیادہ ہے بلکہ اس میں شرکت میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے1981 میں خواتین کی غیر رسمی کاروباری و صنعتی شعبے میں شرکت رسمی اور با قاعدہ کاروباری وصنعتی میدان سے دگنی تھی جو کہ88-1987ء تک بڑھ کر چھ گنا ہو چکی ہے۔محنت کی بجائے سرمائے پر مبنی صنعت کی طرف منتقلی اور بڑے پیمانے پر اشیاء کی تیاری میں افرادی محنت کے عمل کے کم ہونے کی بنا پر غیر رسمی محنت و مزدوری کا میدان بہت زیادہ وسیع ہو گیا ہے۔کم آمدنی رکھنے والے افراد کا کسی روزگار کے بغیر باعزت زندگی گزارنا ممکن نہیں ہوتا جس کی وجہ سے وہ غیر رسمی محنت کے میدان میں داخل ہوتے ہیں جہاں پر بہت زیادہ مہارتیں اور سرمائے کی ضرورت نہیں ہوتی۔غیر رسمی کاروباری شعبہ خدمات مہیا کرنے،تعمیراتی کاموں کے لئے افرادی قوت اور خواتین کی گھر میں کی جانے والی محنت کے علاوہ اشیاء کی فروخت اور گھوم پھر کر کام کرنے وغیرہ کے میدانوں پر مشتمل ہے۔گھر کو بنیاد بنا کر یا گھر مزدوری کی تعریف بین الاقوامی محنت کی تنظیم نے اپنے کنونشن 177 میں اس طور کی ہے کہ گھر مزدوری ایسا کام ہے جو ایک ایسا شخص (گھر مزدور) کسی معاوضے کے بدلے میں اپنے آجر (ایمپلائر) کی جگہ کی بجائے اپنے گھر میں اپنے ہی منتخب کردہ کسی مقام پر کرتا ہے۔

نظریاتی علوم کے ماہرین اور حکمت عملی وضع کرنے والے لوگوں کے درمیان غیر رسمی میدان کی اہمیت کا ادراک بڑھتا جا رہا ہے۔وہ غیر رسمی شعبے کے موجودہ کردار اور وہ کردار جو کہ غیر رسمی شعبہ آئندہ بڑھتی ہوئی محنت مزدوری کرنے والی افرادی قوت کو کام فراہم کرنے میں ادا کر سکتا ہے کو اس کی اہمیت کے باعث پیش نظر رکھتے ہیں۔تاہم غیر رسمی افرادی محنت کے حجم،کام کرنے کے مختلف طریقوں، اس میدان میں جاری مختلف نو جاری مخصوص سرگرمیوں اور اس میدان میں شریک لوگوں کی تعداد کے بارے میں اعداد و شمار کی شدید کمی پائی جاتی ہے جس کی بنا پر مسائل کا احاطہ کرنے اور پالیسیوں کے وشع کرنے کا کام عمدہ انداز سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ شعبہ ضروری تحقیق نہ ہونے اور تحقیق پر مبنی اعداد و شمار کی عدم دستیابی کی وجہ سے پالیسیاں بنانے کی دوران سرکاری اعانت کے لئے بہت کم توجہ حاصل کر سکا ہے بدقسمتی سے یہی رجحان نجی شعبے میں بھی اسی طرح پایا جاتا ہے۔ مثلاً مالیاتی ادارے اور بیمہ کمپیٹیاں وغیرہ نے اس اہم شعبے کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی مخصوص یا خاص پالیسیاں وضع نہ کی ہیں۔

خواتین کی اکثریت جو کہ اس غیر رسمی میدان میں مصروف کار ہے یا تو چھوٹی سطح کے صنعتی کامون کے لئے کام کرتی ہیں یا پھر وہ اپنے خاندانی کاروبار میں معاونت کرتی ہیں۔کراچی کے کم آمدنی والے علاقوں کے ایک مطالعے سے علم ہوتا ہے کہ گھر مزدور خواتین 300 مختلف قسم کے کام کرتی ہیں فی الواقع1989 میں عالمی بینک کی جانب سے کرائے گئے ایک مطالعے سے ثابت ہوا ہے کہ گھر مزدوری زراعت کے بعد روزگار کی فراہمی کا دوسرا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ عالمی بینک کے اس مطالعے سے یہ تخمینہ لگایا گیا کہ شہری افرادی قوت کا70 فیصد غیر رسمی شعبہ میں کام کرتا ہے جس میں سے20 لاکھ خواتین ہیں15 لاکھ خواتین مزدور تھیں ان میں سے آدھی خواتین گھر میں بیٹھ کر چیزیں بناتی تھیں جبکہ آدھی خواتین چھوٹے صنعتی منصوبوں میں کام کرتی ہیں افرادی قوت کے سروے منعقد98-1997 میں تخمینہ لگایا گیا کہ دوتہائی افرادی قوت اور تقریباً10 لاکھ خواتین غیر رسمی شعبے میں مصروف عمل تھیں۔ گھر مزدوروں کا اس سروے میں ذکر نہیں ملتا جو کہ اتنا حیران کن نہیں ہے کیونکہ گھر مزدوروں کے وجود کا عموماً احساس نہیں ہوتا اور شماریاتی مطالعوں یا مردم شماری کے دوران کا علیحدہ طور پر ذکر نہین کیا جاتا۔ جس کی بڑی وجہ گھر مزدوروں اور غیر رسمی شعبے کی تعریف کا مطلب ہونا اور ان کارکنوں کے ملک کی اقتصادیات میں کیمتی کردار کے بارے میں حکمت عملی وضع کرنے والوں کے ذہن میں پائی جانے والی الجھن ہے۔ افرادی قوت و سمندر پار پاکستانیوں کی وزارت کی جانب سے کئے جانے والے ایک آزمائشی مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ غیر رسمی میدان میں ملک کی دوتہائی افرادی قوت مصروف عمل ہے۔ اگر یہ تخمینہ ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ میں دیئے گئے عداد و شمار سے زیادہ صحیح ہے۔تو یہ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ ایک کروڑ 40 لاکھ خواتین کی افرادی قوت میں سے 93 لاکھ30 ہزار خواتین غیر رسمی شعبے میں کام کرتی ہے۔(جن کی اکثریت جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ملک کے اقتصادی ڈھانچے سے کوئی بھی صنعت حاصل کئے بغیر کام کر رہی ہے)

اعداد و شمار میں اس تضاد کے باوجود چھوٹے پیمانے پر کئے گئے مطالعوں سے بات آشکار ہوتی ہے کہ مزدورون کی اکثریت کے لئے کام کے حالات اور محنت کی شرائط استحصالی ہیں۔ جہاں بعض کاروباری خواتین معقول روزی کما سکتی ہیں۔ غیر رسمی شعبے کی اکثریت کی خاصیت طویل اوقات کار کے عوض کم معاوضہ ہے۔ خواتین گھر مزدوروں کے لئے کام کے حالات کم از کم شرح معاوضہ، زچگی کے فوائد اور سوشل سیکیورتی کے حوالے سے قانون سازی کی عدم موجودگی کے باعث اقتصادی استحصال کے خلاف انہیں قانونی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ درمیانی آدمی اس بات کا فائدہ اٹھاتا ہے کہ یہ خواتین محنت کشوں کی تنظیموں کے تعاون اور منڈی کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے بغیر اپنے گھر پر الگ تھلگ کام کرتی ہیں۔ان وجوہ کی بنا پر کام کے لئے انہیں درمیانے آدمی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ یہ خواتین عموماً مالیاتی سکیموں، صحت عامہ اور تحفظ بچگان جیسی ضروری خدمات کے دائرہ کار میں بھی نہیں آتیں۔

اندریں حالات اور بڑی تعداد میں خواتین کی شمولیت کے باعث غیر رسمی شعبے میں خواتین کو منظّم کرنا اور ان کی طرف سے حکومت سے معاملہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی پیش قدمی کے بغیر صحیح شناخت اور اس شناخت کے ساتھ حاصل ہونے معاشرتی تحفظ کے اقدامات کبھی بھی اس اہم افرادی قوت تک نہیں پہنچ سکتے یہ حقیقت کے گھر پر کیا جانے والا کام عموماً الگ تھلگ کیا جاتا ہے اور یہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ مزدوروں کی نمائندہ تنظیموں کی عدم موجودگی اور انہیں محنت کشوں کی تنظیموں کی جانب سے دی والی معمولی توجہ کی توجہ کرتا ہے۔ یہ فرض کر لینا معقول معلوم ہوتا ہے کہ ایسے کارکنوں متحرک اور منظّم کرنا جو خدمت فراہم کرنے کی سرگرمیوں کے لئے وقف ہوں صنعتی گھر مزدوروں کو متحرک اور منظّم کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ تاہم اس قسم کی بیداری اور مختار بنانے کے لئے دنیا بھر سے کامیاب تجربات کی صورت میں حوصلہ افزا مثالیں موجود ہیں۔

گھریلو کام کی کہانیاں:

یہاں دیئے گئے فرداً فرداً کئے گئے مطالعے بہت اہم ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک سختیوں اور بقاء کی کہانی بیان کرتے ہیں اور ہمارے سامنے ان خواتین کے معیار زندگی کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ گھر کا کام مختلف عناصر پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ شعبے اور سرگرمی، پیداواری درجوں، کام کی شرائط اور آمدنی، مزدور کے درمیانی آدمی پر انحصار کے درجوں اور استحصال کی سطح کے لحاظ کے مطابق بدلتا ہے۔ عموماً خواتین کو اپنے مزدور ہونے کے بارے میں آگاہی ہوتی کیونکہ وہ اپنے خاندانوں کی کفالت کے لئے کام کر رہی ہوتی ہیں۔ وہ اس بات کا بھی شعور رکھتی ہے کہ انہیں سخت محنت اور طویل اوقات کار کے بدلے مین معقول معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بے آواز اور غیر منظّم رہتی ہیں۔ انہیں کام کے انتخاب یا اس کی دستیابی ادائیگیوں کی تعداد یا منڈیوں تک رسائی کا بالکل اختیار نہیں ہوتا اور اگر ایسا کوئی اختیار ہو تو وہ بالکل واجبی ہوتا ہے۔

ٹھیکیدار کا کردار:

درمیانہ ادمی ان خواتین کی زندگیوں میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اکثر گھر مزدور خواتین حواندہ، نیم ہنر مند، غیر متحرک اور گھر داری کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں۔ ان وجود کی وجہ سے درمیانی آدمی کو کام کی باقاعدگی رقم اور ادائیگیوں کی تعداد پر اسے مکمل اختیار ہوتا ہے وہ انہیں کام دلاتا ہے۔ خام مال مہیا کرتا ہے اور کام مکمل ہونے پر مزدوری ادا کرتا ہے اگرچہ مزدوری کی ادائیگی اس کی اپنی مرضی کے مطابق ہوتی ہے یعنی وہ ہی یہ طے کرتا ہے کہ کتنے پیسے، کب اور کتنی بار دینے ہیں۔ اس استحصال کے باوجود خواتین اسے اپنے لئے باعث رحمت سمجھتی ہیں۔ وہ ان کی زندگیوں میں ایک قابل احترام شخص ہے۔ وہ جب بھی آتا ہے تو مشروبات چائے، کیک یا ابلے انڈوں سے اس کی خوب خاطر مدارت کی جاتی ہے۔ اگر ان مزدوروں کی آمدنی کو دیکھا جائے تو یہ تو اضع ایک بڑا بوجھ ہے

پیسوں کی ادائیگی کا مطالبہ درمیانی آدمی کو ناراض کر سکتا ہے جس کے نتیجے میں وہ تیار مال میں کیڑے نکال سکتا ہے۔ وہ ان پر بھاری جرمانہ عائد کر سکتا ہے اور آئندہ کام نہ دینے کی دھمکی بھی دے سکتا ہے۔ بسا اوقات درمیانی آدمی کسی خاص کے مکمل ہونے تک اس کی اجرت بھی نہیں بتلاتا ہے۔ بہت سی گھر مزدوروں خواتین کو یہ علم نہیں ہوتا ہے کہ وہ کس کے لئے کام کر رہی ہیں۔ یا اس کمپنی کے لئے جس کے لئے وہ کام کرتی اور گھر مزدوروں خواتین بھی کام کرتی ہیں یا نہیں۔ الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے وہ با آسانی درمیانی آدنی کے استحصال کا شکار ہو سکتی ہیں وہ اپنے پیشہ ورانہ حقوق ئے آگاہ نہیں اور اگر اگاہ بھی ہوں تو اس بات کا بہت کم امکان ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لئے زور دیں۔

خطاباں، سوزن کاری (کشیدہ کاری)

40 سالہ خطاباں پیر کالونی ملتان کی رہائش ہے اس آبادی کے لوگ انتہائی غریب ہیں اور غلاظت بھرے ماحول میں رہتے ہیں۔ یہاں کے گڑ ابل رہے ہیں اور مکھیوں کی بہتات ہے۔ خطاباں اور اس کی دو بیٹیاں ڈوپٹوں اور قمیضوں پر دورنگی دھاگے سے خوبصورت کشیدہ کاری کرتی ہیں۔ ایک سیٹ مکمل ہونے پر انہیں150 روپے ملتے ہیں اور اگر قمیض آگے اور پیچھے دونوں طرف سے بنائی جائے تو پھر مزدوری200 دی جاتی ہے۔

وہ روزانہ 7 سے 8 گھنٹے کام کرتی ہیں اور15 سے20 روز میں ایک سیٹ مکمل کر لیتی ہیں۔ اس آبادی کو کام دلانے والی درمیانی خاتون ایل گھر کو عموماً 3 سے 4 سیٹ دیتی ہے اور دو سیٹ مکمل ہو جاتے ہیں تو صرف ایک کی ادائیگی کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے میں یہ رقم تمہیں اپنی جیب سے ادا کر رہی ہوں نہ جانے یہ سوٹ کب فروخت ہوں خطاباں کو اپنی سوزن کاری کی مارکیٹ قیمت کا بالکل بھی اندازہ نہیں ہے۔ وہ درمیانی خاتون سے بحث کرنے سے گریز کرتی ہے کیونکہ وہ کام کے لئے اس کی محتاج ہے۔ سوزن کاری سے حاصل ہونے والی آمدنی سے وہ اپنے بچوں کو سرکاری سکول جس کی فیس واجبی ہے۔ بھیجنے کے قابل ہے۔ خطاں باں کا شوہر روزانہ مزدور ہے اور اگر کام ملتا ہے تو ایک ماہ میں1500 تک کما لیتا ہے۔ اس کا بیٹا ویلڈنگ کا کام کرتا ہے اور اس کی آمدنی1440 روپے ماہانہ ہے۔

خطاباں سوزن کاری کرنے کے علاوہ سردیوں میں ملتان کی سوغات سوھن حلوہ بھی بناتی ہے۔ اس نے یہ فن اپنے شوہر سے سیکھا تھا۔ حلوہ بنانے کے لئے وہ دودھ چینی اور دیگر لوازمات 130 روپے میں خریدتی ہے اور اس کا حلوہ بنا کر اسے160 روپے میں بیچتی ہے۔ تاہم علاقے کی خواتین اس سے ایک ایک دو روپے کا حلوہ خریدتی ہیں۔ یوں حاصل ہونے والی آمدنی فوراً ہی خرچ ہو جاتی ہے۔

خطاباں ویمن ورکرز ویلفیئر فیڈریشن کی رکن ہے۔ یہ تنظیم خواتین کے حقوق کے بارے میں شعور بڑھانے کے لئے کام کر رہی ہے اور اپنے ارکان کو اجتماعی سودے بازی کے لئے متحرک کرنے کے عمل میں ہے۔ یہ ایک مشکل کام ہے کیونکہ پیر کالونی جیسی غریب کالونی میں خواتین کو جیسا بھی معاوضہ ملے وہ اس پر کام کرنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔

حفیظ اختر بیگ بنانے کے لئے چمڑے کی کٹائی کرتی ہے

30 سالہ حفیظ اختر سیالکوٹ کی شہری بستی مظفر پورہ میں سٹیٹ نامی تنظیم کی جانب سے بنائے گئے ایک سنٹر میں دوسری خواتین کے ساتھ کام کرتی ہے۔ وہ روزانہ سنٹر آتی ہے اور 8 گھنٹے کام کرتی ہے۔ وہ تیار چمڑے کی بڑی شیٹوں سے دستی بیگوں کے لئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹتی ہے یہ ٹکڑے واپس فیکٹری بھیجا جاتا ہے۔ جہاں انہیں آپس میں سلائی کر کے بیگ تیار کئے جاتے ہیں۔ کام کے دوران کئی گھنٹوں تک جھکے رہنے کے باعث اسے کمر کی تکلیف لاحق ہو گئی ہے اور قینچی پکڑے رہنے سے اس کے ہاتھ سخت ہو چکے ہیں۔ حفیظ اختر نے کہا میں نے حال ہی میں کام شروع کیا ہے گھر میں کھانے والے 8 افراد ہیں اور ماہانہ گھر کا ایک ہزار روپے بھی دینا پڑتا تھا جس کے باعث گزر بسر بڑی مشکل سے ہو رہی تھی۔ میرا شوہر دستانے بنانے والی ایک فیکٹری میں کام کرتا ہے جہاں مستقل کام نہیں ملتا۔ اگر کام ملتا رہے تو وہ 1500 روپے تک کما لیتا ہے۔

اگرچہ حفیظ اختر نے بہتر مزدوری کے لئے ٹھیکیدار سے معاملہ کیا ہے تاہم کام بے قاعدہ ہے وہ کہتی ہے ”موسم سرما میں ٹھیکیدار باقاعدگی سے کام نہیں دیتا ہے اور موسم گرما میں کہتا ہے کہ مال کا کوئی گاہک نہیں ہے“ چمڑے کی کٹائی سے ہونے والی آمدنی سنٹر میں کئے جانے والے دوسرے کاموں کے مقابلے میں نسبتاً کم تاہم یہ زیادہ محنت طلب کام نہیں چمڑے کی شیٹ پر مخصوص سائز کے150 مستطیل ٹکڑے ٹریس کر کے انہیں کاٹنے کے حفیظ اختر اور دوسری دو خواتین کو10 روپے ملتے ہیں۔

تینوں مل کر2250 سے3000 ٹکڑے کاٹ کر 135 سے180 روپے کما لیتی ہیں۔ اس رقم کو ان تینوں میں برابر تقسیم کر دیا جاتا ہے جس کے بعد ہر ایک کے حصے میں40 سے60 روپے کی رقم آتی ہے۔ تاہم ٹھیکیدار ہمیشہ مال کے نہ بکنے کا بہانہ بنا کر ہمیشہ مزدوری ایک ماہ کی تاخیر سے ادا کرتا ہے۔ وہ ماہانہ1500 روپے کما لیتی جنہیں وہ گھریلو اخراجات کے لئے اپنے ہی پاس رکھتی ہے۔

مضمون نگار ہوم نیٹ پاکستان کی ایگزیکٹیو ڈائریکٹر ہیں۔

’8مارچ اعلامیہ: برابر حقوق اور برابر مواقع۔سب کیلئے‘ جس پر پنجاب اسمبلی کی ممبر پارلیمنٹرین نے عورتوں کے عالمی دن کے موقع پر دستخط کئے۔

پنجاب اسمبلی میں عورتوں کا عالمی دن منایا گیا

8مارچ، لاہور: پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار کسی صوبائی اسمبلی میں عورتوں کا عالمی دن منایا گیا اور یہ سہرا پنجاب اسمبلی کی ممبر پارلیمنٹیر ینز کو جاتا ہے جنہوں نے لاہور میں پنجاب اسمبلی کی عمارت میں ’برابر حقوق اور برابر مواقع۔سب کیلئے‘ کے موضوع پر ایک اعلامیہ جاری کیا اور اس پر اپنی سیاسی وابستگیوں سے ماورا ہو کر دستخط کئے۔ یہ اعلامیہ دراصل پاکستانی عورتوں کے حقوق کیلئے کی جانی والی سیاسی جدوجہد کا عالمی سطح پر عورتوں کے حقوق کے لئے جاری مہم کے ساتھ یکجہتی کا اظہار تھا۔ اس موقع پر پنجاب اسمبلی کی ممبران نے دہشت گردی کا نشانہ بننے والی عورتوں اور بچوں کے ساتھ انسان دوستی کا اظہار کیا اور پاکستان میں انصاف، امن، برابری اور خوشحالی پر مبنی سماج کیلئے مشترکہ جدوجہد کا اعادہ کیا۔

اس موقع پر جاری کئے جانے والے مشترکہ اعلامیہ میں شامل تھا کہ: ’’اس اعلامیہ کے ذریعے ہم مطالبہ کرتی ہیں کہ حکومت پاکستان عورتوں کی سماجی اور معاشی ترقی کیلئے دستخط کئے جانے والے عالمی معاہدوں اور کنونشنز بالخصوصCEDAW کنونشنز، انسانی حقوق کے کنونشنز، MDGs، بچوں کے حقوق کا کنونشن وغیرہ پر فوری عمل کرے اور ان عالمی معاہدوں پر اطلاق کے ذریعے سماجی، معاشی اور ثقافتی ترقی کے تمام منصوبوں میں عورتوں کی بھرپور شرکت کو یقینی بنانے کیلئے ایک پارلیمانی مانیٹرنگ کمیٹی تشکیل دے۔

ہم مطالبہ کرتی ہیں کہ حکومت پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر کے تمام شعبوں میں عورتوں کے لئے مختص کئے جانے والے 10٪ روزگار کے کوٹے پر واضع طور پر عمل کرائے۔ ہم بھرپور مطالبہ کرتے ہیں کہ ملک کے تمام دارالامان اور عورتوں کی تمام جیلوں میں فی الفور لیڈی ڈاکٹر: نفسیاتی مسائل کے ماہرین اور وکلاء تعینات کئے جائیں، اسی طرح وفاقی اور صوبائی سطح پر الیکشن کمیشن آف پاکستان اور اسکے متعلقہ اداروں میں عورتوں کو برابر ممبر بنایا جائے‘‘۔

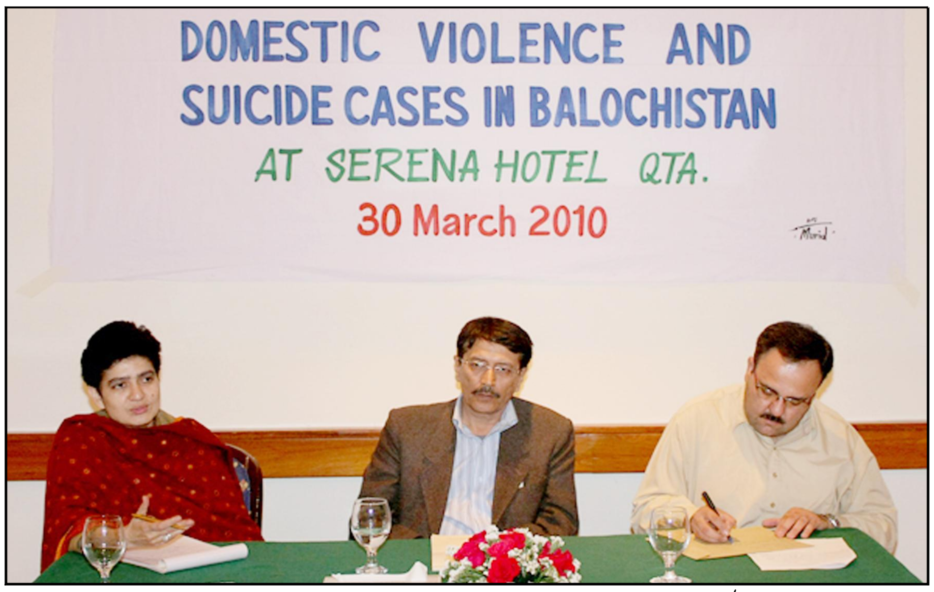

عورت فاؤنڈیشن کوئٹہ کے پالیسی ڈاٹا مانیٹرنگ آن وائیلنس اگینسٹ وومن(PDM-VAW) پروگرام نے ’بلوچستان میں گھریلو تشدد اور خودکشی کے واقعات‘ کے موضوع پر 30مارچ 2010ءکو سرینا ہوٹل میں ایک اجتماعی بحث کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر بلوچستان کی صوبائی وزیر برائے قانونی کاروائی، محترمہ راحیلہ درانی نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی جبکہ پروفیسر نسیم اچکزئی نے، بطور ریسورس پرسن، بلوچستان میں خودکشی کے واقعات میں اضافے پر ایک تفصیلی مقالہ پڑھا۔ انہوں کے خودکشی کے واقعات کے پیچھے نفسیاتی وجوہات اور ان واقعات کا لوگوں کی ذاتی، گھریلوں اور سماجی زندگیوں پر اثرات کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی۔ مہمان خصوصی محترمہ راحیلہ درانی اور بحث میں شامل شرکاء نے بلوچستان میں خودکشیوں اور گھریلو تشدد میں اضافے کے اعداد وشمار انکی وجوہات کے حوالے سے اس بحث کیلئے عورت فاؤنڈیشن کی کوششوں کو سراہا اور امید ظاہر کی کہ عورت فاؤنڈیشن ان مسائل کے حوالے سے اس طرح کی اجتماعی بحث اور صلاح مشورے کو جاری رکھے گی۔

پاکستان میں امن ریلیز کا اہتمام

پاکستان میں سماجی تنظیموں پر مشتمل ’امن اتحاد‘ نے ملک میں خود کش حملوں میں ہلاک ہونے والے معصوم شہریوں کی یاد میں نئے سال کے موقع پر یکم جنوری 2010ء کو ملک کے مختلف حصوں میں بیک وقت امن ریلیوں کا اہتمام کیا۔ امن اتحاد کے بنیادی رکن ہونے کے ناطہ عورت فاؤنڈیشن نے اپنے علاقی دفاتر اور سٹیزن ایکشن کمیٹیز (CACs) کے ذریعے امن ریلیوں میں بھرپور حصہ لیا۔

امن مارچ۔کراچی:

ملک میں امن کی ضرورت کو اجاگر کرنے کیلئے عورت فاؤنڈیشن کے کراچی آفس نے امن اتحاد کی جانب سے یکم جنوری 2010ء کو ایک امن ریلی کا اہتمام کیا جس میں عورت فاؤنڈیشن کے بلاوے پر کراچی اور گردونواح کی سول سوسائٹی تنظیموں سیاسی جماعتوں، خواتین کونسلرز اور شوبز کی مشہور شخصیتوں بشمول شیما کرمانی نے بھرپور حصہ لیا۔

اس موقوع پر مشتمل پر شرکاء نے امن کے حوالے سے لکھے گئے نعروں پر مشتمل پلے کارڈز، بینرز اور غبارے ہوا میں لہرا کر امن کی خواہش کا اظہار کیا۔ امن ریلی کے شرکا نے پریس کلب کراچی سے گورنر ہاؤس تک مارچ کے دوران اس بات کا واضح اظہار کیا کہ ملک میں بڑھتی ہوئی لاقانونیت نے ملک میں امن اور یکجہتی کی فضاء کو سخت نقصان پہنچایا۔

امن مارچ، لاہور:

نئے سال کے موقع پر امن کی ضرورت کا اظہار شہر لاہور میں ریگل چوک سے پنجاب اسمبلی کے سامنے چیرنگ کراس تک مارچ کے ذریعے کیا گیا۔ اس موقع پر عورت فاؤنڈیشن لاہور کے علاوہ امن اتحاد کے دوسرے ممبران مثلاً ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ، پاکستان، AGHS، شرکت گاGJTMAP-Punjab، کشف فاؤنڈیشن اورMDM نے بھرپور حصہ لیا۔ اسکے علاوہ لاہور شہر کی وکلاء برادری، غیر سرکاری تنظیموں، انسانی حقوق کے علمبردار کارکن، سیاسی جماعتوں کے اراکین اور میڈیا بھی امن مارچ میں پیش پیش رہا۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی چیئر پرسن محترمہ عاصمہ جہانگیر نے امن ریلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستانی قوم کو ملکی استحکام کے خلاف جاری دہشت گردی اور جارحانہ قوتوں کے خلاف متحد ہونا چاہیے۔

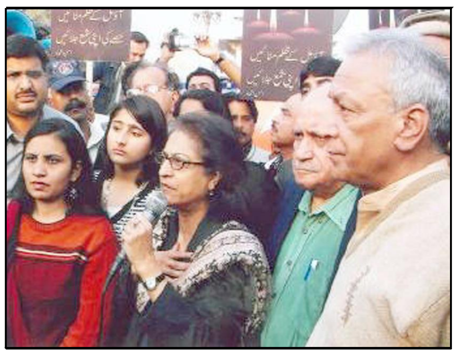

لاہور میں منعقد کی گئی امن ریلی میں محترمہ عاصمہ جہانگیر، ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے جناب آئی اے رحمان اور عورت فاؤنڈیشن لاہور کی ممتاز مغل کیساتھ خطاب کرتے ہوئے۔

سول سوسائٹی کے ارکان امن کے علامتی اظہار کیلئے کراچی امن ریلی میں سفید کبوتر اور غبارے اٹھائے ہوئے۔

امن میلہ۔صوبہ سرحد کا اصلی روپ

دہشت گردی کے شکار پشاور شہر میں امن کی ضرورت کے اظہار کیلئے عورت فاؤنڈیشن پشاور آفس نے 26 جنوری 2010ء کو پی سی۔ پشاور میں ایک امن میلے کا اہتمام کیا۔ اس امن میلے کا بنیادی محرک مقامی ثقافت اور ادب کے ذریعے صوبہ سرحد کا اصلی روپ سامنے لانا تھا۔ امن میلے میں صوبے کی ثقافت اور ادب کو دہشت گردی اور فوجی کاروائی سے لاحق خطرات کے اظہار کے لئے سینکڑوں لوگوں نے شرکت کی۔ اس موقع پر عورت فاؤنڈیشن نے پولیس، صحافیوں اور امن تحریک کے ارکان کو پھولوں کے گلدستے پیش کئے۔

کھیل اور ثقافت کے صوبائی وزیر جناب عاقل شاہ، صوبائی وزیر تعلیم جناب سردار حسین بابک اور صوبائی وزیر برائے ترقی ءخواتین و سماجی بہبود محترمہ ستارہ ایاز نے امن میلے کی مختلف تقریبات میں بطور مہمان خصوصی شرکت کی۔ میلے کا آغاز پشتو لوک ناچ ’اتن‘ سے کیا گیا۔ سوات اور مردان سے شریک بچوں اور ڈیرہ اسماعیل خان سے شامل خواتین نے لوک ناٹک کے ذریعے امن اور جنگ کے حوالے سے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ اس موقع پر عورت فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع کی گئی، پشتو زبان کے نامور صوفی شعراء کے شاعری مجموعے، ’پرندوں کی خاموشی‘ کی رونمائی بھی کی گئی۔ امن میلے میں تصویریوں کی نمائش، پشتو مشاعرہ اور محفل موسیقی کا اہتمام بھی کیا گیا تھا جس میں پشتو کے مشہور گائیگ انور خیال نے پشتو، سرائیکی اور اُردو زبان میں امن کے حوالے سے گیت پیش کئے۔

امن تحریک کے جناب ڈاکٹر سعد عالم محسود اور ادریس کمال، صوبہ سرحد کے صوبائی وزیر برائے کھیل وثقافت، جناب عاقل شاہ سے پھولوں کا گلدستہ وصول کرتے ہوئے؛ اس موقع پر عورت فاؤنڈیشن کے چیف آپریٹنگ آفیسر جناب نعیم مرزا اور عورت فاؤنڈیشن پشاور کی ریذیڈنٹ ڈائریکٹر محترمہ شبینہ ایاز بھی موجود تھیں۔